ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت
ملتان

8 ذوالحجہ 1440ھ | اگست 2019ء

عوام و محنت اور صبر و استقامت کے
89 سال

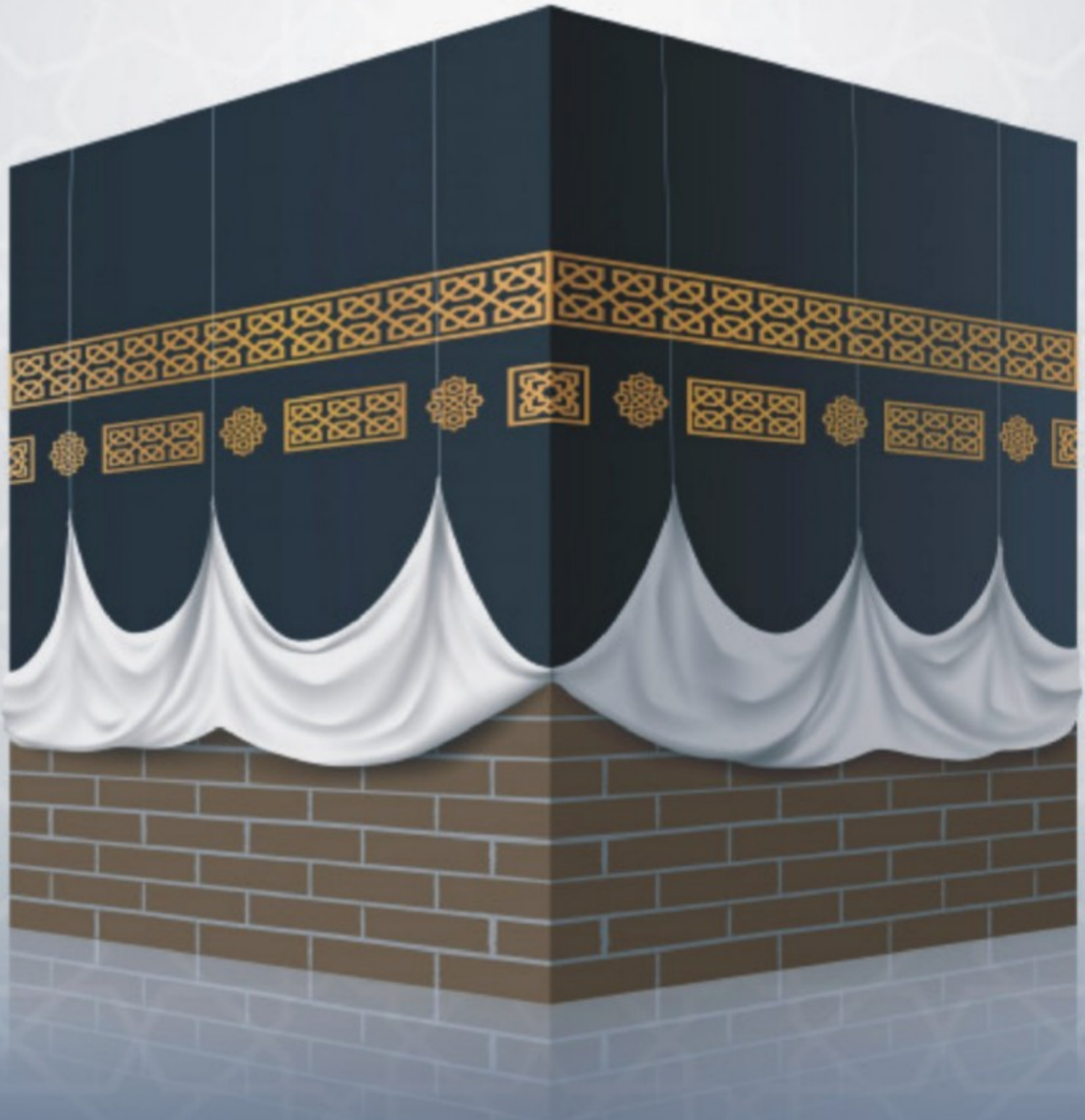

- وزیراعظم عمران خان کا دورۂ امریکہ
- قادیانیت امریکہ کی دہلیز پر
- قربانی.....حکمت وفضیلت
- سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا قادیان میں پہلا خطاب

آرمی چیف اور وفاقی وزراء کے ساتھ سرکردہ علماء کرام کی حالیہ ملاقات

تعمیر جدید دارالقرآن

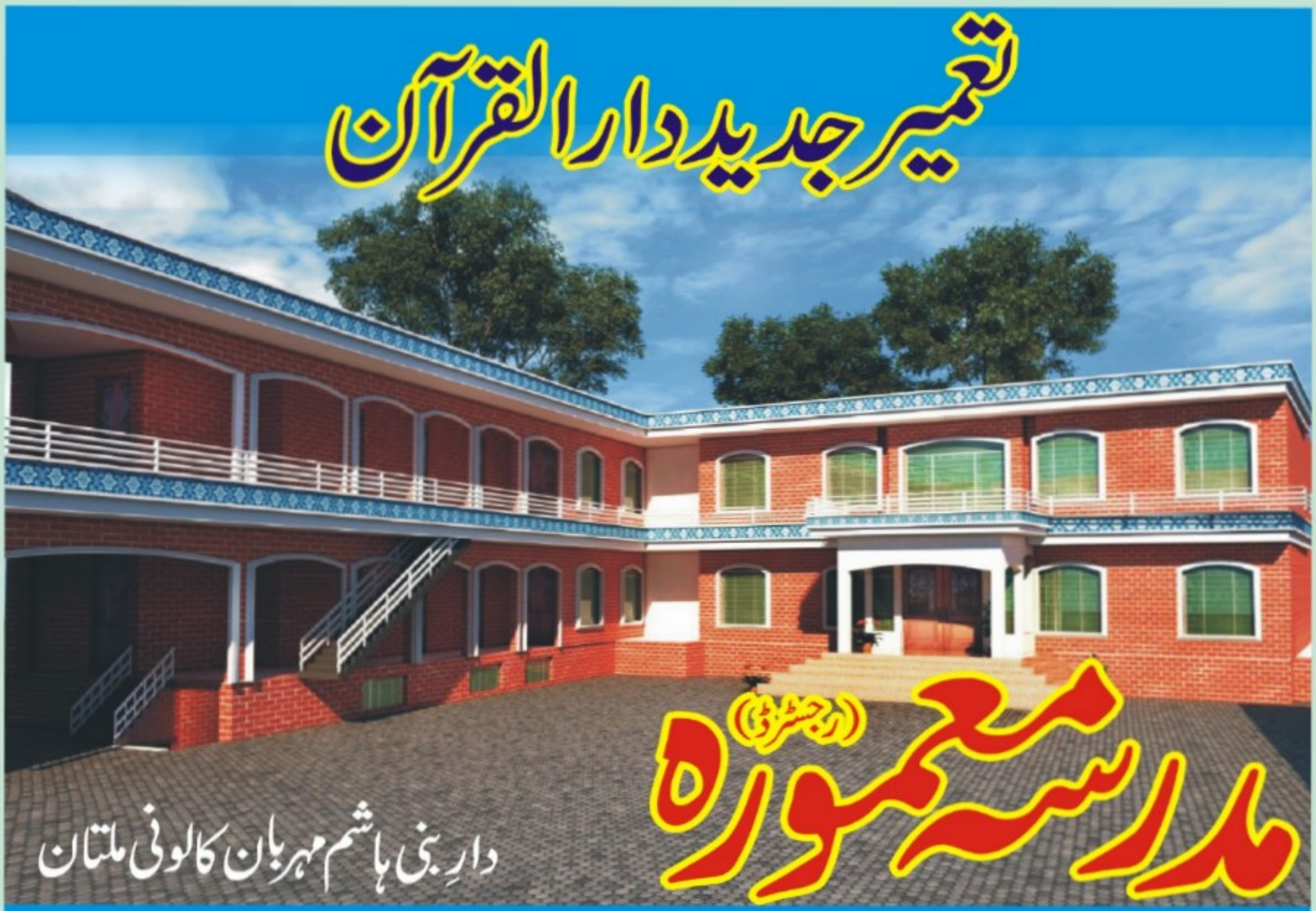

الحمدللہ بیسمنٹ ہال، دارالقرآن، دفاتر اور لائبریری کی تعمیر جدید (17,500,000) ایک کروڑ پچھتر لاکھ روپے سے مکمل ہو چکی ہے۔

☆ درجہ کتب کے طلباء کے لیے درس گاہوں، دارالحدیث، دارالاقامہ پر مشتمل نئی عمارت کی تعمیر باقی ہے جس کا تخمینہ تقریباً (3,00,00,000) تین کروڑ روپے سے متجاوز ہے۔

☆ شوال 1440 سے درجہ کتب میں درجہ خامسہ تک داخلے جاری ہیں

رابطہ برائے ترسیل زرتعاون: **سید محمد کفیل بخاری** (ناظم مدرسہ معمورہ)

بذریعہ چیک، ڈرافٹ، آن لائن: بنام مدرسہ معمورہ: اکاؤنٹ نمبر

A/C # 5010030736200010
Branch Code : 0729
THE BANK OF PUNJAB

بذریعہ اے ٹی ایم ٹرانسفر: 07290160065740001

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

جلد 30 شمارہ 08 اگست 2019ء / ذوالحجہ ۱۴۴۰ھ

Regd.M.NO.32

بیاد: سید الاحرار حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابنِ امیرِ شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

فیضانِ نظر

حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ نگرانی

ابنِ امیرِ شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

مدیرِ مسئول

سید محمد کفیل بخاری

kafeel.bukhari@gmail.com

رُفقائے فکر

عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد

مولانا محمد مغیرہ • ڈاکٹر عمر فاروق احرار

قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس

سید عطاء اللہ ثالث بخاری

سید عطاء المنان بخاری

atabukhari@gmail.com

محمد نعمان سنجرانی

سرکولیشن منیجر

محمد یوسف شاد

0300-7345095

زرِ تعاون سالانہ

اندرون ملک ---- 300/- روپے

بیرون ملک ---- 5000/- روپے

فی شمارہ ---- 30/- روپے

ترسیلِ زر بنام: ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت

بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100

بینک کوڈ 0278 یو بی ایل، ایم ڈی اے چوک ملتان

تشکیل

اداریہ:	وزیر اعظم عمران خان کا دورۂ امریکہ	سید محمد کفیل بخاری	2
شذرات:	قادیانی ریشہ دوانیاں اور دستور کی بالادستی کو چیلنج	عبداللطیف خالد چیمہ	4
	ماتحت مجالس احرار اسلام متوجہ ہوں!		
سرکلر:	بنام ماتحت مجالس احرار اسلام پاکستان	عبداللطیف خالد چیمہ	6
دین و دانش:	قربانی......حکمت و فضیلت	مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ	8
//	عملِ قربانی اور جذبۂ قربانی	مولانا محمد یوسف شیخوپوری	13
//	قربانی کے مسائل	مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد رحمہ اللہ	16
افکار:	قادیانیت امریکہ کی دہلیز پر	ڈاکٹر عمر فاروق احرار	20
//	آرمی چیف اور وفاقی وزراء کے ساتھ سرکردہ علماء کرام کی حالیہ ملاقات	مولانا زاہد الراشدی	22
ادب:	حمدِ باری تعالیٰ عزوجل	عظیم راہی	26
//	نعت	سید محمد ابوالخیر کشفی	27
//	ردِّ شرک (غیر مطبوعہ سرائیکی نظم)	مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ	28
گوشہ امیرِ شریعت	تو آدمی نہیں یزداں کی اک نشانی ہے	سید عبدالحمید عدمؔ	29
	حضرت امیرِ شریعت کے یومِ وصال پر	سید عبدالحنان حامد	30
//	سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا قادیان میں پہلا خطاب	ماہنامہ "انجمن تائید اسلام" کی رپورٹ	31
//	تحفظ ختم نبوت و آزادی ہند کی تحریکوں میں امیرِ شریعت کا کردار	منصور اصغر راجہ	34
مکتوب:	تعزیت نامہ	حبیب الرحمٰن بٹالوی	49
آپ بیتی:	میرا افسانہ (قسط:11)	مفکر احرار چودھری افضل حق رحمہ اللہ	52
مطالعۂ قادیانیت:	احرار کا چراغِ مصطفویؐ......قادیاں کا شرارِ بولہبی (قسط:2)	شورش کاشمیری رحمہ اللہ	58

MajliseAhrar

رابطہ

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

☎061-4511961

www.ahrar.org.pk

www.alakhir.com

majlisahrar@hotmail.com

majlisahrar@yahoo.com

شعبۂ تبلیغ تحفظ ختم نبوت مجلس احرار اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

دل کی بات

وزیراعظم عمران خان کا دورۂ امریکہ

سید محمد کفیل بخاری

وزیراعظم عمران خان امریکہ کا دورہ مکمل کر کے وطن واپس پہنچ گئے۔ یہ فیصلہ تو آئندہ مؤرخ ہی کرے گا کہ وزیر اعظم عمران خان، آرمی چیف جنرل قمر جاوید باجوہ کی قیادت میں امریکہ تشریف لے گئے یا آرمی چیف وزیراعظم کی قیادت میں۔ لیکن اس دورے میں یہ بات واضح طور پر محسوس کی گئی کہ آرمی چیف ہر جگہ ایک پروفیشنل فوجی کی حیثیت سے نظر آئے، جبکہ وزیراعظم ایک نان پروفیشنل پالیٹیشن اور سلیکٹڈ وزیراعظم کے طور پر ایکٹ پلے کرتے رہے۔ آرمی چیف نے پاکستان کی نمائندگی کی اور وزیراعظم نے تحریکِ انصاف کی۔ انھیں امریکہ پہنچ کر بھی اپنے منصب کا احساس تک نہ رہا۔ وہ ڈی چوک اور کنٹینر پر ہی کھڑے نظر آئے۔ یہ پاکستان کے کسی وزیراعظم کا پہلا غیر ملکی دورہ ہے، جس میں کسی معاہدے پر دستخط ہوئے اور نہ ہی کوئی مشترکہ بیانیہ جاری ہوا۔ موصوف ایک بلّا اور آئزن ہاور ڈ کی تصویر لے کر وطن واپس لوٹے۔

''بعد دورے کے تیرے گھر سے یہ ساماں نکلا''

البتہ پریس بریفنگ میں بعض باتیں مثبت بھی ہوئیں، اُن میں ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی واپسی کے بدلے شکیل آفریدی کی حوالگی کی پیشکش قابلِ تحسین ہے۔ وزیراعظم کے دورۂ امریکہ کے مقاصد جو میڈیا کے ذریعے واضح ہوئے، اُن میں مسئلہ افغانستان، امریکہ طالبان مذاکرات اور افغانستان میں یرغمال امریکی شہریوں کی رہائی اہم ترین نکات تھے۔ قطر میں طالبان، امریکہ مذاکرات کو کامیاب یا نتیجہ خیز بنانا اور ان تمام حساس معاملات پر پاکستان کو امریکی خواہشات کے مطابق کردار ادا کرنے پر مجبور کرنا مقصود تھا۔

پاکستان ان معاملات پر کس حد تک کامیاب ہوتا ہے، یہ مستقبل کے حالات پر موقوف ہے۔ البتہ طالبان کے سیاسی دفتر کے ترجمان سہیل شاہین نے کہا ہے کہ ''اگر پاکستان نے دعوت دی تو طالبان مذاکرات کے لیے تیار ہیں''۔ طالبان نے پہلے بھی مذاکرات سے کبھی انکار نہیں کیا، یہ دروازے انھوں نے ہمیشہ کھلے رکھے ہیں۔ لیکن انھوں نے اسلام اور اپنے وطن کی آزادی پر کبھی مفاہمت کی، نہ سودے بازی۔ وہ ہمیشہ امن کے خواہش مند رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں کامیابی دے اور افغانستان میں امن قائم ہو۔

پاکستان کو بھی ایک مخلص ہمسائے اور پُرامن افغانستان کی ضرورت ہے۔ مسئلہ کشمیر پر صدر ٹرمپ کی ثالثی کی پیشکش اور چین کی حمایت خوش آئند ہے لیکن اس پر بھارتی ردعمل اس کی روایتی ڈھٹائی کا مظہر ہے۔ بھارت کنٹرول لائن پر اور کشمیر میں دہشت گردی اور جارحیت کا مسلسل مرتکب ہو رہا ہے اور الزام پاکستان کو دے رہا ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ جس طرح کلبھوشن کیس کو عالمی عدالتِ انصاف میں پاکستان نے پیش کر کے زبردست کامیابی حاصل کی، اسی طرح عالمی فورم پر کشمیر میں بھارتی مظالم اور جارحیت کو بھی طشت از بام کیا جاتا۔ لیکن وزیراعظم تو وہاں بھی کنٹینر پر کھڑے ہو کر پاکستان میں اپنی حزبِ مخالف کو کوستے رہے۔ جو اُن کے منصب کے سراسر منافی تھا۔ ڈونلڈ ٹرمپ اور عمران کی نفسیات تقریباً ایک ہی ہے۔ وہ

ریسلنگ کے اکھاڑے میں غل غپاڑہ اور مار دھاڑ کرتے ہوئے ایک سپر پاور کے صدر بن گئے اور عمران کرکٹ کے میدان میں چوکے چھکے لگاتے ہوئے حادثاتی طور پر پاکستان کے وزیراعظم بن گئے۔ غیر ذمہ دارانہ اور جذباتی بیانات دونوں کی قدر مشترک ہے۔ خان صاحب نے آسیہ ملعونہ کی رہائی کی ذمہ داری قبول کی، اسامہ بن لادن آپریشن کے حوالے سے آئی ایس آئی کو معلومات شئیر کرنے کا ذمہ دار قرار دیا اور پاکستانیوں کو جہادی ٹریننگ دے کر افغانستان میں لڑانے کی ذمہ داری فوج پر ڈالی۔ یہ باتیں واشنگٹن میں کرنے والی نہیں تھیں۔ معلوم نہیں کہ اسٹیبلشمنٹ اس بیانیے کو ٹھنڈے پیٹوں قبول کرے گی یا نہیں؟

ایک طرف حکومت ملک سے فرقہ وارانہ سرگرمیوں کو ختم کرنا چاہتی ہے اور ''پیغام پاکستان'' بیانیے پر تمام مسالک کے ذمہ داران کے دستخط لے کر ملک میں امن قائم کرنا چاہتی ہے، دوسری طرف وزیراعظم نے اپنی گفتگو میں سنی شیعہ مسئلہ چھیڑ کر فرقہ وارانہ فضائم قائم کرنے کی نہایت بودی حرکت کی۔ کیا ایکشن پلان کا اطلاق وزیراعظم پر نہیں ہوتا؟ چند ماہ قبل انہوں نے دورۂ ایران کے موقع پر کہا کہ پاکستان سے ایران میں دہشت گردی ہوتی ہے۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

عمران خان کے دورہ امریکہ سے قبل اور بعد پاکستان اور امریکہ میں مقیم قادیانیوں کی ملک دشمن سرگرمیاں محل نظر ہیں۔ اس دورے سے قبل چناب نگر کے رہائشی ایک سزایافتہ قادیانی کی رہائی اور وائٹ ہاؤس تک رسائی، ٹرمپ کے سامنے پاکستان کے خلاف گفتگو اور سابق گورنر پنجاب سلمان تاثیر کے بیٹے شان تاثیر کی طرف سے اس کی ترجمانی ایسے معاملات ہیں، جن سے صرفِ نظر ممکن نہیں۔ قادیانیوں نے سوشل میڈیا پر اور عملی طور پر عمران خان کے دورۂ امریکہ کو بہت سراہا اور خوشی کا اظہار کیا۔ ایجنڈا واضح ہے کہ دال میں کالا ہے۔ واشنگٹن کے ارینا ہال میں عمران خان کے خطاب کا حاصل مستعار حاضرین کی فرمائشی تالیوں کی گونج میں تھڑے اور چوک میں کھڑے ہو کر غیر سنجیدہ گفتگو کے سوا کیا تھا؟ میڈیا رپورٹس کے مطابق کینیڈا، برطانیہ اور امریکہ سے قادیانیوں کی بڑی تعداد اس اجتماع میں شریک ہوئی۔ اُدھر قادیانی سربراہ مرزا مسرور کی ایک ویڈیو بھی وائرل ہوئی، جس میں پاکستان کا آئین تبدیل کرنے کی دھمکی دی گئی۔

عمران خان سن لیں کہ تحفظ ختم نبوت پر پوری قوم یک جان ہے۔ آئین میں کسی تبدیلی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ 25 جولائی کو ملک بھر میں متحدہ اپوزیشن کی پارٹیوں نے یومِ سیاہ منایا۔ اُدھر پشاور میں جمعیت علماء اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے پہلے اپوزیشن کے اجتماع میں تقریر کی اور پھر جمعیت علماء اسلام کے تیرہویں تحفظِ ناموس رسالت کے تاریخی ملین مارچ میں جرأت مندانہ خطاب کیا۔ مولانا کے ملین مارچ، جبر اور گھٹن کے ماحول میں بادِ نسیم کے جھونکے ہیں۔ جب عمران خان ارینا ہال واشنگٹن میں مولانا کو برا بھلا کہہ رہے تھے تب عمران حکومت کا وفد مولانا کے گھر چیئرمین سینیٹ کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک واپس لینے کی بھیک مانگ رہا تھا۔ متحدہ اپوزیشن حکومت کی معاشی و اقتصادی اور سیاسی پالیسیوں کے خلاف سراپا احتجاج ہے۔ بات آگے بڑھ رہی ہے، اس سے پہلے کہ خان صاحب ''سرپرستی'' سے محروم ہو جائیں اور پی ٹی آئی کا کوئی سٹینڈ بائی پلیئر آگے آ جائے، انھیں اپنی زبان اور رویوں پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ اپنے وعدے پورے کریں، قوم کو مہنگائی کے شکنجے سے نکالیں، سیاسی اخلاقیات کے رویوں کو فروغ دیں اور ملک کی نظریاتی بنیادوں کو منہدم کرنے سے باز رہیں۔

قادیانی ریشہ دوانیاں اور دستور کی بالادستی کو چیلنج

عبداللطیف خالد چیمہ

پاکستان بننے کے فوراً بعد امریکی مداخلت نے وطن عزیز میں سائے گہرے کر لیے تھے اور تمام اسلام و وطن دشمن عناصر کی پُشت پر استعماری قوتیں نظر آنے لگیں، بھٹو مرحوم کے دور اقتدار میں 7 ستمبر 1974ء کو لاہوری و قادیانی مرزائیوں کو اسمبلی کے فلور پر آئینی ترمیم کے ذریعے متفقہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا اور بھٹو مرحوم نے ہی کہا تھا کہ ''قادیانی پاکستان میں وہی مرتبہ چاہتے ہیں جو یہودیوں کو امریکہ میں حاصل ہے''۔ قادیانیوں نے پاکستان کے آئین اور آئینی ترمیم کو کبھی بھی تسلیم نہیں کیا اور مختلف مواقع پر عملاً اس کا اظہار بھی ہوتا رہا ہے، چند سال قبل چناب نگر (ربوہ) کے قادیانی شکور (عینک والا) کو توہین رسالت پر مبنی لٹریچر فروخت کرنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا، شواہد کے ساتھ سزا ہوئی اور مجرم کو گزشتہ مارچ میں خالص امریکی دباؤ پر رہا کیا گیا اور پوری فیملی سمیت امریکن امیگریشن دلوائی گئی، اِسی شکور قادیانی نے مترجم شان تاثیر کے ذریعے صدر ٹرمپ کو براہ راست پاکستان کے خلاف قادیانیوں پر ہونے والے خودساختہ مظالم کی داستان سنائی، جونہی یہ ویڈیو سوشل میڈیا پر وائرل ہوئی تو وزیراعظم عمران خان کے امریکی دورے میں چند روز باقی تھے، ہر طرف سے احتجاجی شور اٹھا، مرزا مسرور نے کہا کہ ''ہمارا مرکز پاکستان نہیں قادیان (انڈیا) ہے پاکستانی آئین میں تبدیلی ہوکر رہے گی''۔ قادیانیوں کی اینٹی اسلام اور اینٹی پاکستان سرگرمیوں کا سدباب نہ ہونا ایک سوالیہ نشان ہے۔ جس کا جواب نہیں دیا جا رہا، الٹا قادیانیوں کو مزید ڈھیل دی جا رہی ہے اور یہ سب حکومت اور سیاسی جماعتوں میں قادیانیوں کے اثر و رسوخ کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اس کی بہت سی اور وجوہ بھی ہیں، لیکن ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ قادیانیوں نے پرانے مورچے بدل کر نئے مورچے سنبھال لیے ہیں، جس کا تعلق اثر و رسوخ، لابنگ اور ذہن سازی سے ہے۔ 26 جولائی 2019ء کو اس سلسلہ میں ''یوم احتجاج'' کے موقع پر ملک بھر میں تمام مکاتب فکر نے متحدہ تحریک ختم نبوت رابطہ کمیٹی پاکستان کی اپیل پر خطبات جمعۃ المبارک کے موقع پر درجہ ذیل صورتحال پر روشنی ڈالی، صدائے احتجاج بلند کی اور متفقہ قراردادیں منظور کی گئیں۔ 26 جولائی 2019ء کے خطبات جمعۃ المبارک میں درج ذیل صورتحال پر روشنی ڈالی اور قراردادیں منظور کی گئیں۔

☆ ملکی آئین و قانون کے خلاف قادیانی سرغنہ مرزا مسرور نے جو زبان استعمال کی ہے، اس کا نوٹس نہ لینا حکومت کی بدترین قادیانیت نوازی ہے۔ ☆ توہین رسالت کے مجرم شکور (چشمے والا) چناب نگر کو امریکی دباؤ سے رہا کروا کر امریکہ بھیجا گیا اور امریکی صدر ٹرمپ کے سامنے اُس نے پاکستان کے خلاف گندی زبان استعمال کی۔ ☆ موجودہ حکمران قادیانیت کو پنپنے کے مواقع فراہم کر رہے ہیں۔ ☆ ملتان کے پروفیسر جنید حفیظ جو توہین رسالت کا مجرم ہے، کی رہائی کے

لیے امریکی نائب صدر دباؤ ڈال رہے ہیں جو مسلّمہ بین الاقوامی اصولوں کی نفی ہے۔ ☆ آئین پاکستان اور قوانین کی رو سے قادیانی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر نہیں کر سکتے، جبکہ قانون نافذ کرنے والے ادارے چناب نگر سمیت ملک بھر میں عمل درآمد نہیں کروا رہے اور بے بس نظر آتے ہیں۔ ☆ مختلف سطح کے نصاب تعلیم سے عقیدۂ ختم نبوت والے حصے حذف کیے گئے ہیں، ایسے میں اسلامیان پاکستان کا بیدار ہونا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

ماتحت مجالس احرار اسلام متوجہ ہوں!

مجلس احرار اسلام پاکستان کی مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ 6 ذیقعد 1440ھ، مطابق 10 جولائی 2019ء دفتر احرار لاہور، کی معمول کی کارروائی (سرکلر شامل اشاعت ہے) کے علاوہ 2 اہم فیصلے کیے گئے کہ خالص جماعتی اخراجات کے لیے جناب میاں محمد اویس کی سربراہی میں بیت المال کمیٹی قائم کی گئی جس کے لیے ڈاکٹر محمد آصف، مولانا تنویر الحسن احرار اور حافظ محمد ضیاء اللہ ہاشمی ان کے معاونین ہوں گے۔ تمام شاخیں اس جانب خصوصی توجہ فرمائیں۔ دوسرا فیصلہ یہ ہوا کہ 29/دسمبر 2019ء کو دریائے راوی لاہور کے کنارے قائم ہونے والی حریت پسند جماعت ''مجلس احرار اسلام'' کو 90 سال پورے ہونے پر کارکنان احرار و ختم نبوت 27-28-29 دسمبر 2019ء کو جامع مسجد احرار چناب نگر میں سہ روزہ ''اجتماع احرار'' منعقد کریں گے۔ جو پہلے دن نماز جمعۃ المبارک سے شروع ہو کر اتوار قبل از نماز ظہر اختتام پذیر ہوگا۔ نومبر کے شروع میں 11-12 ربیع الاوّل کو سالانہ ختم نبوت کانفرنس جبکہ دسمبر کے آخر میں ''یوم تاسیس'' کا سہ روزہ اجتماع ہوگا، یہ اجتماع ان شاء اللہ تعالیٰ صد سالہ جشن (یوم تاسیس) کا پیش خیمہ ثابت ہوگا اور احرار کی پرانی روایات کے مطابق ساتھیوں کے حوصلے کا سبب بنے گا، اجتماع کے آخری دن دینی و سیاسی قیادت تشریف لائے گی اور ملکی حالات سمیت تمام موضوعات پر بات ہوگی، احرار کی جملہ ماتحت شاخوں، کارکنان ختم نبوت اور معتقدین اکابر احرار اور حضرت امیر شریعت سے خصوصی درخواست ہے کہ وہ 11-12 ربیع الاوّل کے ساتھ ساتھ 27-28-29 دسمبر کے لیے بھی کمر بستہ ہو جائیں، بقیہ تفصیلات ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ شماروں میں شامل اشاعت ہوں گی۔

الغازی مشینری سٹور
ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں
بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

مجلس احرار اسلام پاکستان

مرکزی دفتر: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

بنام ماتحت مجالس احرار اسلام پاکستان

تاریخ: 16-07-2019 سرکلر نمبر: 4/19

محترمی ومکرمی جناب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے!

مجلس احرار اسلام پاکستان کی مرکزی مجلس عاملہ کے اجلاس زیر صدرات سید محمد کفیل بخاری نائب مجلس احرار اسلام پاکستان منعقدہ 6/ذیقعد 1440ھ مطابق 10/جولائی 2019ء دفتر احرار لاہور میں درج ذیل فیصلے کیے گئے۔ مرکزی مجلس احرار اسلام کے اخراجات کے لیے مرکزی ناظم اعلیٰ جناب عبداللطیف خالد چیمہ صاحب کی تجویز پر 20 لاکھ روپے سالانہ بجٹ کی منظوری دی گئی اور اس کے لیے شعبہ مالیات قائم کیا گیا۔ جناب میاں محمد اویس کو مرکزی ناظم مالیات مقرر کیا گیا اور درج ذیل تین افراد کو اُن کا معاون نامزد کیا گیا۔

۱۔ جناب ڈاکٹر محمد آصف ۲۔ مولانا تنویر الحسن ۳۔ حافظ ضیاء اللہ ہاشمی

یہ کمیٹی ماتحت شاخوں سے سالانہ فنڈ کی وصولی کے لیے نظام تشکیل دے گی اور فنڈ وصولی کو ہر صورت یقینی بنائے گی جبکہ مرکزی جماعت کے اخراجات کی ادئیگی وحسابات رکھنے کی بھی ذمہ دار ہوگی۔

اجلاس میں درج ذیل فیصلے کیے گئے:

☆ مقامی جماعت کے تحت 14/اگست کو یوم آزادی کے موقع پر پرچم کشائی کا اہتمام کیا جائے۔

☆ 21/اگست حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یومِ وصال ہے آپ کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ماہ اگست کی کسی بھی تاریخ کو تقریب کا اہتمام کیا جائے۔

☆ 7/ستمبر کو یوم تحفظ ختم نبوت (یوم قراردادِ اقلیت) ہے۔ اس مناسبت سے یکم تا 10/ستمبر عشرۂ ختمِ نبوّت پورے تزک واحتشام کے ساتھ منایا جائے اور اس سے پہلے کارکنان کا مشاورتی اجلاس بلا کر پوری منصوبہ بندی کی جائے۔ تمام مکاتب فکر کو 7/ستمبر، یوم تحفظ ختم نبوت کے مجوزہ پروگرام میں شرکت کی دعوت دی جائے۔ پروگرام کی نوعیت اپنے حالات کے مطابق طے کریں۔ اس کے علاوہ علاقہ بھر میں اخبارات اور سوشل میڈیا کے ذریعے 7/ستمبر کے پروگرام کی تشہیر کریں جبکہ اس موقع پر فہم ختم نبوت کورس اور سیمینار وغیرہ کا اہتمام بھی کیا جاسکتا ہے۔

☆ 12,11 ربیع الاوّل تحفظ ختم نبوت کانفرنس وجلوس دعوت اسلام چناب نگر کے بارے میں مقامی طور پر مشاورت شروع کردیں۔

☆ 29 دسمبر 2019ء مجلس احرار اسلام کا نوے سالہ یومِ تاسیس ہے، اس موقع پر جامع مسجد احرار چناب نگر میں تین روزہ نوے سالہ اجتماع احرار منعقد ہو رہا ہے۔ 27-28-29 دسمبر، جمعہ، ہفتہ، اتوار۔ اس عظیم الشان اجتماع کو

کامیاب بنانے کے لیے ابھی سے محنت شروع کریں، مقامی سطح پر تیاری اور تشہیر کریں، اس کے لیے آپ کو الگ تفصیلی سرکلر ارسال کیا جائے گا۔ مزید تفصیلات کے لیے ذیل کے نمبر پر رابطہ کریں۔

نوٹ:

☆ سرکلر موصول ہوتے ہی تمام عہدے داران کی فوری میٹنگ بلا کر سب کو ایک کاپی دی جائے۔

☆ جماعت کی رکنیت ومعاونت سازی کا عمل ساتھ ساتھ جاری رکھیں، ضرورت پڑنے پر رکنیت ومعاونت فارم مرکز سے طلب کریں۔

☆ اپنا علاقائی احرار ورکرز تربیتی کنونشن منعقد کرنے کے لیے مرکز سے رابطہ کریں۔

والسلام

عبداللطیف خالد چیمہ

سیکرٹری جنرل مجلس احرار اسلام پاکستان

برائے رابطہ

ڈاکٹر محمد آصف

0300-9522878

امیر شریعت سیمینارز

تحریک آزادی اور تحریک ختم نبوت میں
حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی خدمات
پر انہیں خراج عقیدت پیش کیا جائے گا

1. اگست بروز جمعرات بعد نماز مغرب جامع مسجد حسن حسین سلانوالی
2. اگست بروز جمعہ خطبہ جمعۃ المبارک جامع مسجد مدنی سرگودھا روڈ چنیوٹ
4. اگست بروز اتوار بعد نماز مغرب ایوان احرار نیو مسلم ٹاؤن وحدت روڈ لاہور
5. اگست بروز سوموار بعد نماز ظہر جامع مسجد رحمانیہ ڈسکہ، بعد نماز مغرب جامع مسجد احرار ماڈل ٹاؤن گجرات
6. اگست بروز منگل بعد نماز مغرب جامع مسجد سید عطاء اللہ شاہ بخاری ناگڑیاں ضلع گجرات
23. اگست بروز جمعہ بعد نماز عشاء قصور
29. اگست بروز جمعرات بعد نماز مغرب جامع مسجد ختم نبوت دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
31. اگست بروز ہفتہ بعد نماز عشاء جامع مسجد عشرہ مبشرہ چک نمبر 337 گ ب ڈھولن ٹوبہ ٹیک سنگھ
6. ستمبر جمعۃ المبارک مجلس احرار اسلام کے مبلغین ملک بھر میں عقیدۂ ختم نبوت کے عنوان سے اجتماعات جمعہ میں خطاب کریں گے
7. ستمبر بروز ہفتہ ''یک روزہ ختم نبوت کورس'' جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور
7. ستمبر بروز ہفتہ بعد نماز مغرب ''سالانہ تحفظ ختم نبوت کانفرنس'' ایوانِ احرار نیو مسلم ٹاؤن لاہور

قربانی.....حکمت وفضیلت

ابن امیر شریعت مولانا سیّد عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

اسلام امن وسلامتی کا ہی نام ہے اسلام کے ہر عمل سے سلامتی پیدا ہوتی اور امن پھیلتا ہے ہر باشعور آدمی غور و فکر کی نعمت سے اس حقیقت کو پاسکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی آمد سے قبل انسانوں کے اعمال جس برائی، خباثت اور شیطنت سے آشنا ہو چکے تھے اسلام نے انہی اعمال کو اسوۂ حسنہ میں پابند کر کے محبت، آدمیت، امن، سلامتی اور عافیت پیدا کر دی۔ غور فرمایئے قبائل کے سردار اور ان کے ساتھی کھانا کھا رہے ہیں ہمہ قسم نعمت ان کے سامنے چن دی گئی ہے مگر کیا مجال کہ غلام اس کی طرف دیکھ بھی جائے۔ روساء و بزرجمہر کھا پی کے فارغ ہوں گے۔ تو بچا کھچا ان کے منہ میں بھی پہنچ جائے گا جو غلام ہونے کا طعنہ سینے پر سجائے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے آ کر مکارم اخلاق پیدا کئے۔ اسی معاشرے میں غلام کو آقا کے برابر اور فقیر کو امیر جیسا کر دیا۔ من وتو کی تمیز ختم کر دی۔ معاشرے میں حسن پیدا کیا۔ جو نہ کلیوں میں نہ غنچوں میں، نہ پھولوں میں نہ بہاروں میں ہے۔ دنیا کے کسی نظام میں بھی یہ حسن وخوبی، یہ برابری و برادری نہیں ہے۔ دنیائے فکر میں انقلاب بپا کیجئے اور چودہ سو برس کی الٹی زقند لگایئے۔ چشم خرد کھولیے اور ملاحظہ کیجئے کہ مولائے کائنات سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ لکڑی کے ایک پیالے میں لقمے لگا لگا کر کھا رہے ہیں۔ غلام آقا کے روبرو ہے نظر وتوجہ کی نعمتوں سے بھی مالا مال ہو رہا ہے اور معاش ومعاد کے لمحے بھی سنوار رہا ہے۔ جی ہاں یہ وہی بلال ہے جسے کفارِ مکہ کا جمہوری نظام اور جمہوری گماشتے اپنے برابر دیکھنا نہیں چاہتے تھے اور اسے غلام ہی مارنا چاہتے تھے، اسی طرح قربانی کا عمل بھی معاشرے میں امن وسلامتی اور بلندی پیدا کرتا ہے۔

قربانی تو زمانہء جاہلیت میں بھی امن وسلامتی اور سفر کے خطرات سے بچاتی تھی۔ عرب کا معمول تھا کوئی شخص اگر حج کے لیے آمادہ سفر ہے تو اسے اپنے قربانی کے جانوروں کے گلے میں پٹے ڈال کر ساتھ رکھنا پڑتا۔ اور یہ قربانی کا پٹہ ہی راستے کے خطرات ومشکلات کے بچنے کی علامت ہوتا۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ ایسا مسافر اپنے ساز وسامان سمیت منزل مراد پر پہنچ جاتا۔ حج کرتا، قربانی دیتا اور رضاء الٰہی کی نعمتیں سمیٹتا واپس لوٹ جاتا۔ قربانی کے اس جانور کو ہدی کہا جاتا ہے۔ ویسے عربوں میں یہ دستور تھا کہ دین ابراہیمی کے مطابق وہ چار مہینوں کا بہت احترام کرتے یعنی رجب، ذی قعد، ذی الحج، اور محرم..... یہ مہینے پرامن اور عافیت وسلامتی کے مہینے تھے قرآن کریم نے بھی ان مہینوں کے باعزت و باوقار ہونے کا ذکر فرمایا ہے مِنها اربعةٌ حُرم ان میں سے چار بہت معزز ہیں۔

انہی چار ماہ کے اعزاز واکرام میں عرب اپنی جاہلیت کی عادتیں، لڑائی جھگڑے ختم کر دیتے تھے۔ ذی الحجہ کا مہینہ بھی انہی مکرم ومحترم مہینوں کا حصہ ہے۔ جس میں قربانی، حج اور عبادات اس کا جزو لاینفک ہے۔ اس لیے بھی یہ امن و امان اور عافیت وسلامتی کا پیغام سرمدی ہے۔ امن عامہ کی نوید الٰہی ہے۔ مگر ہمارے معاشرہ میں چونکہ اسلام کو ثانوی

حیثیت دیدی گئی ہے اور جمہوریت کو پہلی پوزیشن اس لیے موجودہ معاشرے پر پھٹکار پڑرہی ہے۔عرب جہلا تو پٹے والے قربانی کے جانوروں کی لوٹ مار نہیں کرتے تھے۔ ''یہ جمہوریت زادے'' اور ''روشن خیال'' تو وہ بھی نہیں چھوڑتے۔اس عمل خبیث میں یہ اُن سے بھی آگے نکل گئے۔لوگوں نے مہندی، جھانجر، زنجیر اور پٹے قربانی کی تمام نشانیوں سے اپنے قربانی کے جانوروں کو مرصع کیا ہوتا ہے مگر یہ فرزندانِ ناہموار اسے بھی چوری کرنے سے باز نہیں آتے اگر ''لبرل اسلام'' کے ماننے والے منافقین اپنے رویے تبدیل کر کے حقیقی اسلام کے پیروکار بن جائیں یعنی مکمل مومن بن جائیں تو امت کو یہ روزِ سیاہ دیکھنا نصیب نہ ہو! اس پر مستزاد یہ کہ ان چوروں اور حرام خوروں کو پاکستان کی رسوائے زمانہ تعزیرات سزا نہیں دیتی بلکہ ''لبرل اسلام'' کی نمائندہ کمیونٹی جو حدود اللہ کو ''وحشیانہ'' سزائیں کہتی ہے وہ وحشی اور جنگلی بھی اس درندگی پر بہت پریشان ہیں مگر امن قائم نہیں کر سکے۔جو دن بھی طلوع ہوتا ہے، وہ فسق وفجور کی تمازت بڑھا دیتا ہے۔خود کو ترقی یافتہ کہنے والے یورپ کے اندھے مقلد پاکستان میں خیر پیدا نہیں کر سکے۔پاکستان کی سیکولر سیاسی قوتیں شر، فتنہ و فساد اور تباہی کی نمائندگی کرتی، اسے پھیلاتی اور حکومت کرتی ہیں۔یہ چار پانچ فیصد جو امن کے روح پرور مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔یہ صرف ان دینی اعمال کی وجہ سے ہیں جو مسلمان انفرادی اور ذاتی ذوق کی بنیاد پر کرتے ہیں ورنہ ریاست کے قانون بد نے تو انکارِ اعمال کی کھلی آزادی دے رکھی ہے۔اللہ کی پناہ۔

قربانی اپنے شاندار ماضی، امن وسلامتی پر سچی تاریخی روایت وشہادت رکھتی ہے۔دورِ حاضر میں قربانی نہ صرف یہ کہ امن کا پیغام ہے بلکہ مسئلہ معاش کا عظیم پہلو بھی اپنے جلو میں رکھتی ہے کہ اس عمل صالح کی بدولت معاشی بدحالی ختم ہوتی اور معاشی امن پیدا ہوتا ہے۔سینکڑوں غریب امیر ہو جاتے ہیں۔قرآن کا حکم ہے: فکلو ا منھا و اطعمو البائس الفقیر . (پ ۱۷ الحج آیت ۲۸) سو کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ محتاج بے حال کو۔فکلوا منھا و اطعموا القانع والمعتر . (پ ۱۷۔الحج آیت ۳٦) سو کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ صبر سے بیٹھنے والے کو اور بیقراری کرنے والے کو۔

ہمارے معاشرہ میں سرمائے کی غیر منصفانہ تقسیم اور یورپ کے معیارِ زندگی کی نقالی نے معاشرہ کو طبقات میں تقسیم کر دیا ہے۔اعلیٰ طبقہ کہلانے والے لوگ اخلاق سے عاری، ہمدردی سے محروم، اخوۃ، برادری اور برابری کے شائستہ جذبات کو خیر باد کہہ کر دوسرے تیسرے اور چوتھے طبقہ کے لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ہمارے معاشرے کا دوسرا تیسرا اور چوتھا طبقہ زندگی کی راحتوں سے مجبور اور معاشی حالات سے رنجور ہے اور سفید پوشی، ظاہرداری اور برادریوں کے جذبۂ تقابل میں اس قدر چُور چُور ہے کہ توبہ ہی بھلی۔معاشرے کے جن لوگوں کے پاس مال ومنال زر وجواہر اور دھن دولت موجود ہے۔پھر اُن میں سے جو اس دولت کو دین کے احکام کے مطابق صرف کرتے ہیں۔زکوٰۃ دیتے ہیں صدقات دیتے ہیں انفاق عام کرتے ہیں وہ جب قربانی دیں گے تو معاشرہ کے ایسے افراد جو بے چارے مال کی کمی کے سبب ہفتوں اور مہینوں تک گوشت کی شکل سے ناآشنا اور اس کی لذت سے محروم رہتے ہیں۔قربانی کرنے والا خود کھائے تو اس کی اجازت ہے اس لیے کہ ''فکلوا منھا'' امرِ استحباب ہے امرِ وجوب نہیں یعنی اجازت ہے حکم نہیں جیسے و اذا حللتم فاصطادوا . (پ ٦۔المائدہ۔آیت ۲) اور جب احرام سے نکلو تو شکار کر سکتے ہو۔

اپنے گھر کے لیے رکھ لے تو اجازت ہے اگر نہ رکھے تو بہتر ہے اور واجب ہے کہ وہ قربانی کا گوشت بے حال، محتاج، نادار، بے یار و مددگار اور ایسا مسکین جو قانع صابر محروم ہو اور ایسا مسکین بھی جو سائل اور بے قرار ہو بھوک کے ہاتھوں تنگ آ کر مانگنے لگ جائے سب کو تلاش کر کے پہنچایا جائے۔ ایسے ضرورت مندوں کو زکوٰۃ صدقات وغیرہ کی طرح قربانی کا گوشت پہنچانے سے ان کی طبعی تندی ترشی اور حالات سے پیدا شدہ نفرتیں کم ہوں گی۔ غضب وانتقام کی جگہ محبت واحترام پیدا ہوگا۔ لوٹ مار قتل وغارتگری کی بجائے حفاظت وخدمت کے نیک جذبات ظہور پذیر ہوں گے۔ معاشرہ میں امن وسلامتی غالب آئے گی یعنی خیر طالب اور شر مغلوب ہوگا۔ رودے اور کھالیں بھی معاشرے کے انہی پسے ہوئے لوگوں کا حق ہے۔ قصاب قطعاً کھال رودے اُجرت میں نہیں لیجا سکتے قربانی کے جانوروں پر ڈالے گئے کپڑے گھنٹیاں زنجیریں جھانجریں وغیرہ سب چیزیں غرباء کا حق ہیں۔ جب غرباء کو ان کا شرعی حق مال کی صورت میں پہنچے گا تو معاشی ناہمواری دور ہوگی اور معاشی ناہمواری کے دور ہونے سے جذبہ حُسد ورقابت بھی دور ہوگا جس کا نتیجہ ہے خوشحالی مختصراً ملاحظہ کریں۔

قربانی کے فوائد:

(۱) ایک طبقہ میں گردش زر قائم ہوئی۔ قربانی کے لیے جانور خریدے گئے۔ بیچنے والے کو مال منتقل ہوا۔ اُسے کچھ روز گھر میں رکھا، خدمت کی، گھاس دانہ کھلایا

(۲) دوسرے طبقہ میں گردشِ زر قائم ہوئی۔ قصاب نے ذبح کیا اور مزدوری لی۔

(۳) تیسرے طبقہ میں گردشِ زر قائم ہوئی، کھال فروخت ہوئی یا خیراتی اداروں میں تقسیم ہوئی۔

(۴) چوتھے طبقہ میں گردشِ زر قائم ہوئی۔ رودے، زنجیر، کپڑا، جھانجر فروخت ہوئی۔ ان کی قیمت مساکین یتامیٰ، بیوگان محتاج، غریب، دینی کارکن، دینی مدارس کے مسافر طلباء واساتذہ میں مختلف صورتوں میں تقسیم ہوئی۔

(۵) پانچویں طبقہ میں گردش زر قائم ہوئی۔ سرمایہ انجماد سے بچا۔ ایک ہاتھ میں نہ رہا مختلف ہاتھوں میں پہنچا ملک و قوم کو فائدہ پہنچا۔ ایسا اہم اور عظیم عمل جس سے معاشرے کے پانچ طبقوں کو فیض، نفع اور فائدہ پہنچتا ہو اس کی مخالفت کرنا کہاں کی خدمتِ انسانی اور خدمتِ حیوانی ہے۔ یا دانشمندی ہے؟ بجز اس کے کہ

بک رہے ہیں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

ہاں یہ سیکولرسٹوں کا ''روشن اور لبرل اسلام'' تو ہوسکتا ہے حقیقی دین اسلام نہیں۔

قربانی اور قربانی کے جانور:

قربانی اور قربانی کے جانور شعائر اللہ میں سے ہیں۔ (پ ۱۷۔ الحج آیت ۳۶)

ایسے لوگ جو بے رحمی اور حیوانات کے انسداد کی ذیل میں قربانی کے عمل کو رد کرتے ہیں یا مال کے ضیاع کی نام نہاد حکمت کی بنیاد پر اس کو غلط قرار دیتے ہیں وہ لوگ بنیادی طور پر جاہل وظالم ہیں۔ اس لیے کہ قرآن حکیم نے قربانی اور قربانی کے جانوروں کی حیثیت دین اسلام کی علامتوں میں سے دو علامتیں قرار دی ہیں۔ دین کی علامتوں کی تعظیم دلوں کے

تقویٰ کی علامت ہے۔ ان شعائر کا احترام نہ کرنے والے لوگ خلوص سے محروم ہیں۔ شعائر اللہ کی باقاعدہ و باضابطہ شرعی حیثیت وعظمت ہے۔ اس عمل کی ایک مذہبی، شرعی اور قانونی تاریخ ہے اس کی تردید، تغلیط اور توھین، احکام ومسائل اور قوانین قرآنی سے بےخبری، لاعلمی اور جہالت پر مبنی ہے۔ پھر ایسا آدمی جو قربانی جیسے عمل خیر کو روکتا ہے، اس کے خلاف ذہنوں کو ہموار کرتا ہے اور فضول قسم کی باتیں جو یاوہ گوئی اور ہرزہ سرائی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں' کرتا رہتا ہے۔ وہ معاشرے کو باہم ایک دوسرے سے کاٹنا چاہتا ہے۔ قربانی کے عمل سے معاشرہ کے تمام طبقات باہم مربوط ہوجاتے ہیں اور یہ حیوانات پر رحم کرنے والا نام نہاد مہربان انسانوں کو محبت، مؤدت، ارتباط، معاشرتی ترقی سے محروم کرنے والا ظالم، سفاک اور خودغرض ہے کہ انسانوں پر رحم نہیں کرتا!

احکام وفضائل:

قربانی جدُّ الانبیاء اور مجدّد الانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اور سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہم السلام اور سید الاوّلین، قائد المرسلین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مقدس یادگار اور ابدی سنت ہے۔.....حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایام قربانی میں اللہ تعالیٰ کو اپنے نام پر بہائے ہوئے خون قربانی سے زیادہ کوئی چیز اور عمل پسند نہیں۔ ذبح کے وقت خون کا ہر قطرہ زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی خدا کے ہاں مقبول ہوجاتا ہے۔ نیز فرمایا: ذبیحہ کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں' ان میں سے ہر ہر بال کے بدل میں ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَنْ یَّنَا لَ اللہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَاءُ ھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ﴾

''اللہ کو نہیں پہنچتے' ان کے گوشت اور نہ لہو۔ لیکن اس کو پہنچتا ہے تمہارے دلوں کا ادب (خلوص)۔'' (سورۃ حج' ۳۷۔ پارہ ۱۷)

بعض اسلام دشمن عناصر جن کو مخلوق خدا کی فلاح کا بہت زیادہ ''درد'' اٹھتا ہے' وہ اس نظریاتی مملکت میں برسوں سے زہر پھیلا رہے ہیں اور خصوصیت کے ساتھ جدید تعلیم سے روشناس مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں کہ قربانی ''مولوی ازم'' کی ایجاد ہے، کتنا بڑا ظلم ہے کہ ہزاروں لاکھوں روپے کا خون بہادیا جائے، اس میں انسانیت کی کیا خدمت ہے؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تو صرف ''مکہ'' میں ہی فرض ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں قربانی نہیں دی۔ کوئی شخص بھی اس بات کا مجاز نہیں کہ دین متین میں ایک حرف کی بھی تبدیلی کرسکے۔ قربانی انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور ہر صاحب نصاب مسلمان پر واجب ہے۔ جو چودہ سو سال سے ادا کی جارہی ہے۔ خود حضور ﷺ نے اور ان کے بعد ان کے صحیح جانشین خلفائے راشدین نے اور صحابہ کرام ؓ نے اور امت کی مسلّمہ شخصیتوں نے ادا کی اور کروائی۔ یہ کہنا کتنا بڑا دجل ہے کہ ختم المرسلین ﷺ نے صرف مکہ میں قربانی کی۔ حالانکہ احادیثِ صحیحہ میں اس کا ثبوت موجود ہے کہ مدینہ میں بھی قربانی ہوئی اور لاکھوں مربع میل میں پھیلی ہوئی اسلامی سلطنت میں بسنے والے مسلمانوں نے اس سنت کو ادا کیا۔

حضور ﷺ نے مدینہ میں قربانی کی:

﴿عن ابن عمر 'قال اقام رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم بالمدینہ عَشَرسِنِیْنَ یُضَحِّیْ﴾

حضرت ابن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے دس برس مدینہ میں قیام فرمایا اور قربانی دی: (ترمذی ص ۱۸۲، مسند احمد ج ۲ ص ۵۷)

﴿عن ابن عباس قال کنّا مع رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فی سفر فحضر الا ضحی فاشتر کنا فی البقرۃ سبعۃ وفی البعیر عشرۃ﴾ (ترمذی ص ۱۸۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سفر میں تھے کہ سفر میں ہی قربانی کا دن آ گیا تو ہم قربانی کی گائے کے سات حصوں اور اونٹ کے دس حصوں میں شریک ہوئے۔

جمہور علماء کے نزدیک اونٹ میں دس حصوں والا حکم منسوخ ہو گیا اور سات حصوں والا حکم قیامت تک کے لیے جاری ہے۔ اسے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ذکر کیا ہے۔ (حاشیہ مشکوٰۃ۔ ص ۱۲۸)

ان ہر دو روایات کی روشنی میں یہ بات قطعیت کے ساتھ واضح ہو گئی کہ حضور ﷺ نے سفر میں بھی قربانی کی اور مدینہ میں بھی، اس کے بعد اس قسم کی لغو اور بے بنیاد باتوں کی کوئی گنجائش نہیں رہتی اور یہ حدیث ان کے قول کے بطلان کے لیے دلیل کا ایک طمانچہ ہے۔

اہل اسلام سے التماس ہے کہ وہ اس قسم کی لغویات پر دھیان نہ دیں اور دین متین کی حفاظت کرتے ہوئے اور محبت رسول ﷺ سے سرشار ہو کر اس سنت کو خوب ذوق وشوق سے ادا کریں تا کہ روزِ محشر بارگاہِ رب العزت میں نجات کا سبب اور اللہ کے محبوب ﷺ کی شفاعت کے مستحق بنیں۔ خداوندِ قدوس ہم سب کو دلجمعی سے اسلام کے اصولوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمین ،ثمّ اٰمین

مسافران آخرت

☆ کمالیہ میں قدیم احرار کارکن ماسٹر احمد یار قاصر مرحوم کی بیٹی، مجلس احرار کے رکن شوریٰ جناب عبدالکریم قمر کی بھتیجی اور منیر احمد صاحب (نادرا آفیسر) کی اہلیہ 10 رمئی 2019 کو وفات پا گئیں۔

☆ شیخ عبدالحئی لدھیانوی مرحوم کے بڑے بیٹے اور نقیب ختم نبوت کے مستقل قاری شیخ قیوم نظر لدھیانوی انتقال 12 رجون

☆ ابن امیر شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ کے ہم درس، قائد احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم کے دیرینہ دوست، حضرت مولانا عبدالرحمٰن رحمانی (قطر) کی اہلیہ اور مولانا سعید الرحمٰن (قطر) کی والدہ 30 رجون کو انتقال کر گئیں۔

☆ مجلس احرار اسلام جھنگ کے کارکن محمد انور مغل کے تایا مستری محمد علی مغل انتقال: 8 رجولائی، مرحوم مجلس احرار کے قدیم کارکن تھے مجلس احرار کے نائب امیر سید محمد کفیل بخاری نے اظہار تعزیت کیا۔

☆ مجلس احرار اسلام یونٹ لطیف آباد کے رہنما بھائی عارف شہزاد صاحب کے جواں سال فرزند محمد عبداللہ 12 رجولائی کو انتقال کر گئے نماز جنازہ مجلس احرار اسلام پاکستان کے نائب امیر سید محمد کفیل بخاری نے پڑھائی جبکہ مجلس احرار ملتان کے امیر مولانا محمد اکمل سمیت احرار کارکنوں نے شرکت کی اور اظہار تعزیت کیا۔

اللہ تعالیٰ سب مرحومین کی مغفرت فرمائے، حسنات قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے۔ پسماندگان کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے۔ آمین

عمل قربانی اور جذبۂ قربانی

مولانا محمد یوسف شیخوپوری

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے ذرّے ذرے کو دو چیزوں سے مرکب فرمایا ہے۔ایک روح ہے اور دوسرا جسم۔ ہر چیز میں خالق کائنات نے دونوں (روح ،جسم) رکھے ہیں روح کو اس چیز کی بقاء کے لیے بدن اور جسم کی ضرورت ہے۔اور جسم کو بقاء کے لیے روح کی ضرورت ہے الغرض ہر چیز تب باقی برہ سکتی ہے جب اس میں بدن اور روح ملے ہوئے ہیں خود اشرف المخلوقات انسان ہی کو دیکھ لیجیے۔ جب تک اس میں روح ہے تب تک تو انسان ہے وگرنہ لاشہ اور بے کار ہے اگر روح اور بدن الگ ہو جائیں تو اسی حقیقت کا نام موت ہے۔اور ان کی علیحدگی سے تمام کائنات کی چیزیں ختم اور بے کار ہو جاتی ہیں۔ یہ اصول جیسے تکوینی ہے اس طرح تشریعی بھی ہے۔حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمتہ اللہ علیہ نے بڑی تفصیل اور مدلّل انداز میں اسکی وضاحت فرمائی ہے۔

آیئے ذرا شریعت میں اس کے چند نمونے دیکھیں مثلاً طہارت اور وضو ایک عمل ہے اس میں بھی یہی دو چیزیں ہیں ایک وضو کی صورت ہے، جسے بدن سمجھ لیں اور ایک اس کا مقصد ہے جسے روح سمجھ لیں۔وضو کی صورت (بدن) تو خاص ہیئت اور مخصوص افعال ہیں جن کو آدمی وضو کرتے وقت اختیار کرتا ہے۔خاص طریقے سے آدمی کا بیٹھنا اور اعضاء کو دھونا وغیرہ البتہ ایک اس کی روح ہے جو مقصود بھی ہے۔یعنی پاکی اور طہارت کا حاصل کرنا۔جس سے انسان بارگاہ ایزدی میں اپنی حاضری لگوا سکے۔ اسی طرح غسل ہے وہاں بھی یہی صورت حال ہے۔سب سے بڑی عبادت نماز کو دیکھ لیں۔مخصوص طریقے سے قیام رکوع سجدہ کرنا قراءت کرنا وغیرہ وغیرہ نماز کی صورت ہے۔البتہ نماز کی روح بندگی وعبدیت کی اظہار ہے اور تقربِ خدا حاصل کرنا ہے۔ الغرض حج روزہ اور زکوٰۃ ہر ایک کا یہی حال ہے کہ انھی بدن صورت اور روح دونوں سے مل کر ہی وجود میں آسکتے ہیں۔

بالکل اسی طرح قربانی والا عمل ہے۔اس کی بھی ایک صورت ہے اور ایک روح۔قربانی کی صورت تو جانور کا ذبح کرنا ہے اور اسکی حقیقت اور روح تقرب الی اللہ کا حصول اور تقوٰی وایثار وہمدردی کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔

یہ روح بغیر جانور کے ذبح کیے حاصل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ ہر بدن وصورت میں اسی کی مناسبت سے روح ڈالی جاتی ہے۔وضو میں اس کی صورت کے مطابق روح، نماز میں نماز کی روح.....حج ،زکوٰۃ اور روزہ میں ان کی روح ہے اور اسی طرح قربانی کے عمل میں قربانی کی روح ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کی جو صورت مقرر کی ہے وہی اختیار کرنا پڑے گی تب وہ روح ہمیں حاصل ہوسکتی ہے۔آج کل کچھ روشن خیال طبقہ کے لوگ یہ کہہ کر لوگوں کی غلط رہنمائی کر رہے ہیں کہ ''جی قربانی کا مقصد ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنا ہے تو اسکا بہتر حل یہ ہے۔کہ اتنی رقم بجائے جانوروں کے ذبح کرنے میں لگانے کے کسی غریب کی مدد کر دی جائے یا کسی رفاہی کام میں خرچ کر دی جائے۔جانوروں کو ذبح کرنا اور یوں یوں کرنا یہ رقم کو (نعوذ باللہ) ضائع کرنا ہے۔

عوام الناس کو سمجھ لینا چاہیے اگر یوں ہی اعتراض کر کے کسی عمل کو اپنی اصلی حقیقی صورت سے ہٹایا جانے لگے تو کوئی عمل بھی اصلی صورت میں باقی نہیں رہے گا کیونکہ کل کو نماز زکوٰۃ اور روزہ کے بارے میں کہا جائے گا انکا مقصد تقویٰ حاصل کرنا ہے۔ تو وہ ان اعمال کی صورت اختیار کیے بغیر حاصل ہوسکتا ہے۔ لہذا نماز روزہ کی بھی ضرورت نہیں اس میں (نعوذ باللہ) وقت کا ضیاع ہے، اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا ہے وغیرہ وغیرہ۔

یاد رکھیے اللہ تعالیٰ نے ہر عمل میں اسی کے مناسب روح رکھی ہے جو کسی اور صورت سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ نماز کی روح روزہ سے حاصل نہیں ہوسکتی اور روزہ کی روح نماز سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح قربانی کی روح صدقہ خیرات سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ صدقہ خیرات اچھی اور محمود صفت ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسی سے ہمیں قربانی والی حقیقت اور روح حاصل ہوجائے۔

صدقہ کی روح دوسرے کی مدد اور انفاقِ مال ہے۔ صدقہ کے لیے کوئی وقت وتاریخ بھی متعین نہیں جب چاہیں ادا کریں مگر قربانی کے لیے یَومُ النَّحرُ اور عیدالاضحیٰ کا دن متعین ہے اور قربانی کی روح جانثاری کا جذبہ پیدا کرنا ہے کہ بندہ اپنے مالک کے اللہ اور اسکے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کے سامنے سرِتسلیم خم کرنے کو ہر وقت تیار رہے ہر حکم پر لبیک کہہ کر میدانِ عمل میں چوکس کھڑا ہو۔ یہی وہ مقام ہے کہ جس وقت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنے معصوم لختِ جگر کو اللہ کا حکم سنایا کہ: اِنِّیۡ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی؟ (ترجمہ: میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمھیں ذبح کرتا ہوں اب تم بتاؤ کہ کیا رائے ہے؟) فرماں بردار بیٹا بولا اِفۡعَلۡ مَاتُؤۡمَرُ (ترجمہ: جو آپ کو حکم ہوا ہے اسے بجا لائیے) پھر عملاً تیاری کر گھر سے باہر میدان میں لے جا کر اپنے معصوم بچے کو لٹا کر اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں باندھ لیں اپنی آنکھوں پہ پٹی باندھ ڈالی چھری حلقوم پر رکھ دی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو فَلَمَّا اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِیۡنِ فرما کر اَسۡلَمَا کے لفظ سے تعبیر فرمایا جس کا سادہ مطلب یہ ہے کہ ''جب ان دونوں نے میرے حکم کے سامنے سرِتسلیم خم کر لیا''۔ قربانی کے عمل سے یہی جذبہ پیدا کرنا مقصود ہے جو قربانی کی روح ہے۔ اب جو روشن خیال لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جب روح مقصود ہے تو وہ بھی حاصل ہوسکتی ہے قربانی والی صورت اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے تو ان سے سوال یہ ہے کہ کیا یہی کام تم اپنے اوپر جاری کرو گے کہ روح کو لے لیا جائے اور صورت چھوڑ دی جائے؟ لہذا پہلے اپنے اوپر اس کو لاگو کرو بدن کو ختم کر دو اور روح کو باقی رکھ کر دکھاؤ۔ اگر تمہاری ذات میں یہ ناممکن ہے کہ روح بدن کے بغیر رہ سکے تو سمجھ لو اعمال شریعہ میں بھی یہ عمل جراحی نہ کرو کہ صورت کے بغیر روح حاصل ہوگی بلکہ روح کو حاصل کرنے کے لیے اس کی صورت کو حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی عمل کے ذریعے یہ مقام حاصل کرنا کہ ہر چیز کو حق پر قربان کرنے کا حوصلہ اور جذبہ پیدا ہوجائے اسی پر سلفاً وخلفاً اجماع امت کا انعقاد ثابت ہو چکا ہے۔ حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر موجودہ دور کے اہل علم تک، پوری امت کے اخیار اسی پر متفق ہیں کہ ہمیں احکام شریعت کا مخاطب اس لیے بنایا گیا ہے تا کہ ہمیں ان کے مقاصد حاصل ہوجائیں۔

ملحوظ رہے کہ جب تک قربانی کا مقصود یعنی حق کے تقاضوں پر ہر شے قربان کرنے کا جذبہ اور ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی ہمت اگر پیدا نہ ہوا تو اس عمل کا خاص فائدہ نہیں ہوا۔ احکام شریعت کے ذریعے شارع کے مقاصد کی حقیقت اگر دیکھنی ہو تو اس طبقہ کو دیکھیے جنھوں نے موت وحیات کا فرق نظر انداز کر کے جان کو ہتھیلی پر رکھ ہر چیز قربان کرنے کی داستانیں رقم کیں اور اپنی جرأت و بہادری جانفروشی اور جان سپاری کی وہ داستانیں رقم کیں کہ انھیں ''ڈرنے والے، بھاگنے والے، لوٹ مار کرنے والے'' جیسے الزامات لگانے والے خود اس کی زبان ومنہ خود اسی قائل پر ملامت کرتے ہیں کہ یہ قربان ہونے والے ہیں ہر چیز قربان کرنے والے ہیں قربانی تو شروع ہی یہاں سے ہوئی سر تسلیم خم کرنا جو مزاج یار میں آئے اسکی بنیاد پڑی ہی یہاں سے۔ اس طبقہ سے میری مراد.....: معیارِ ایمان حضرات اصحاب کرام علیہم الرضوان ہیں۔

تاریخ ابن عساکر اور کنز العمال واصحابہ میں حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کا مشہور قصہ ہے جو اسی مضمون سے مطابق رکھتا ہے۔ دور فاروقیؓ میں روم کی طرف گئے ہوئے اسلامی لشکر کے کچھ مجاہدین کو کفار روم نے گرفتار کرلیا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ بھی ان اسیران میں شامل تھے۔ جب دشمن کے فوجی ان مقدس قیدیوں کو اپنے طاغیہ کے پاس ان کو لے گئے۔ تو بادشاہ نے متاثر ہو کر ان سے کہا: **هل لک فی أن تنصَّر وأشرکک فی ملکی وسلطانی؟** (ترجمہ: کیا اگر میں تمھیں اپنے ملک وبادشاہت میں شریک کروں تو تم عیسائیت قبول کرلو گے؟) یہ جذبہ تھا کہ جواب میں حضرت نے فرمایا: **لو اَعْطَیْتَنِیْ جَمِیْعَ مَا تَمْلِکُ وَجَمِیْعَ مَا مَلَکَتْهُ الْعَرَبُ**'' اے بادشاہ تُو تو مجھے اپنی بادشاہ وسلطنت دینے کی بات کرتا ہے اگر اپنی تمام بادشاہت کے ساتھ عرب کی تمام بادشاہت بھی مجھے ملے اور یہ کہے کہ آنکھ جھپکنے کی دیر کے لیے میں دین اسلام چھوڑ کر نصرانیت قبول کرلوں یہ محال ہے ناممکن ہے۔ اس پر بادشاہ نے غصے میں آکر سولی پر لٹکانے کا حکم دے دیا اور کہا تیر اندازوں کو کہو کہ اس کو خوف زدہ کرنے اور ڈرانے کے لیے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے تیر چلاؤ۔ جب پھر بھی کامیاب نہ ہوئے اور آپ کے جذبہ حق پرستی کی آتش کو بجھا نہ سکے تو حکم دیا کہ ایک کڑاہی یا دیگ لاؤ اور نیچے آگ جلاو جب اس میں موجود پانی یا تیل اُبلنے لگا تو پہلے دو اور مسلمان قیدی اس میں ڈالے پھر حضرت کی باری آئی تو آپ رونے لگے۔ وہ سمجھے شاید ہم ان سے قربانی والا جذبہ ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ لیکن جب حضرت عبداللہ بن حذافہ سے رونے کا سبب پوچھا تو آپؓ نے فرمایا **کُنْتُ اَشْتَهِیْ اَنْ یَّکُوْنَ بِعَدَدِ کُلِّ شَعْرَةٍ فِی جَسَدِیْ نَفْسٌ**'' کہ اب تو قربان ہونے کا قربانی دکھانے کا وقت آیا ہے۔ کاش میرے جسم میں جتنے بال ہیں ہر بال کے بدلے ایک ایک جان ہوتی تو میں سب کو راہ خدا میں قربان کر دیتا۔

یہی قربانی کے عمل کی روح ہے کہ قربانی کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ قربانی کرنے والا مسلمان اپنے اندر یہ جذبہ پیدا کرے جیسے جانور کی گردن پر چھری چلا رہا ہوں ایسے اپنی ہر ہر ناجائز خواہش پر چھری چلا کر نفس وشیطان کی بجائے خدا اور اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری میں لگوں گا۔ ان کی پسند کو اپنی پسند ان کی چاہت کو اپنی چاہت بناؤں گا ظاہر بات ہے روح کے بغیر بدن وصورت کسی کام کے نہیں رہتے۔

قربانی کے مسائل

مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ

قربانی کس پر واجب ہے:

جس پر صدقہ فطر واجب ہے، اس پر بقرعید کے دنوں میں قربانی بھی واجب ہے اور اگر اتنا مال نہ ہو کہ جس پر صدقہ فطر واجب ہوتا ہو، تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے، لیکن پھر بھی اگر کر دے تو ثواب ہے۔

مسئلہ: اگر پہلے اتنا مال دار نہ تھا، اس لیے قربانی واجب نہ تھی، پھر بارہویں تاریخ کے سورج ڈوبنے سے پہلے کہیں سے مال مل گیا تو قربانی کرنا واجب ہے۔ قربانی مقیم پر واجب ہوتی ہے، مسافر پر نہیں۔

مسئلہ: قربانی کے تینوں دن اقامت کا ہونا شرط نہیں ہے۔ دسویں، گیارہویں تاریخ کو سفر میں تھا، پھر بارہویں تاریخ کو سورج ڈوبنے سے پہلے گھر پہنچ گیا یا پندرہ دن کہیں ٹھہرنے کی نیت کر لی تو اب قربانی کرنا واجب ہو گیا۔

مسئلہ: جو شخص حج پر گیا اور حساب سے شرعی مسافر بنتا ہو تو اس پر قربانی واجب نہیں مثلاً ایک شخص ۲۵ ذی قعدہ کو مکہ مہ پہنچا۔ اب چونکہ منیٰ عرفات جانے میں پندرہ روز سے کم ہیں اس لیے یہ شخص مکہ مکرمہ میں اقامت کی نیت بھی کر لے تب بھی مقیم نہیں مسافر ہی رہے گا۔ اس لیے خواہ یہ شخص حج سے پہلے مدینہ منورہ جائے یا نہ جائے بارہ ذی الحج تک یہ مسافر رہے گا اور اس پر قربانی واجب نہ ہوگی۔

قربانی کا وقت:

مسئلہ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ کے سورج ڈوبنے سے پہلے تک قربانی کا وقت ہے چاہے جس دن قربانی کرے لیکن قربانی کا سب سے بہتر دن دسویں کا ہے۔ پھر گیارہویں تاریخ پھر بارہویں تاریخ۔

مسئلہ: دسویں تاریخ کو شہر والوں کے لیے قربانی کا مستحب وقت عید کی نماز اور خطبہ کے بعد ہے جب کہ گاؤں والوں کے لیے کہ جس میں عید کی نماز نہیں ہوتی سورج طلوع ہونے کے بعد ہے۔

مسئلہ: گاؤں والوں کے لیے دسویں تاریخ کو فجر کی نماز کے بعد بھی قربانی کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: امام عید کی نماز پڑھا چکا لیکن ابھی خطبہ نہیں پڑھا کہ کسی نے قربانی کر دی تو قربانی جائز ہے۔

مسئلہ: امام کے نماز پڑھانے کے دوران میں قربانی کی تو قربانی نہیں ہوگی۔

مسئلہ: اگر عید کی نماز ہوئی اور پھر لوگوں نے قربانی کی۔ بعد میں بات ظاہر ہوئی کہ وہ دن دسویں کا نہیں نویں ذی الحجہ کا ہے اور چاند دیکھنے میں غلطی ہو گئی تھی تو اگر با قاعدہ گواہی سے چاند کے ہونے کا اعلان کیا گیا تھا تو نماز اور قربانی دونوں جائز ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ: اگر کوئی شہر کا رہنے والا اپنی قربانی کا جانور کسی گاؤں میں بھیج دے تو وہاں اس کی قربانی عید کی نماز سے پہلے بھی درست ہے اگر چہ وہ خود شہر ہی میں موجود ہو۔ ذبح ہو جانے کے بعد چاہے تو اس کو منگوالے اور گوشت کھائے۔

مسئلہ: بکرا، بکری، بھیڑ، دنبہ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی، ان جانوروں کی قربانی درست ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور جانور کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ: بکری سال بھر سے کم کی درست نہیں۔ جب پورے سال بھر کی ہو تب قربانی درست ہے۔ اور گائے، بھینس، دو برس سے کم کی درست نہیں۔ پورے دو برس کی ہو چکے تب قربانی درست ہے۔ اونٹ پانچ برس سے کم کا درست نہیں ہے۔

تنبیہ: بکری جب پورے ایک سال کی ہو جاتی ہے اور گائے جب پورے دو سال کی ہو جاتی ہے اور اونٹنی جب پورے پانچ سال کی ہو جاتی ہے۔ تو اس کے نچلے جبڑے کے دودھ کے دانتوں میں سے سامنے کے دو دانت گر کر دو بڑے دانت نکل آتے ہیں۔ نر اور مادہ دونوں کا یہی ضابطہ ہے۔ تو ان دو بڑے دانتوں کی موجودگی جانور کے قربانی کے لائق ہونے کی اہم علامت ہے لیکن اصل یہی ہے کہ جانور اتنی عمر کا ہو اس لیے اگر کسی نے خود بکری پالی ہو اور وہ چاند کے اعتبار سے ایک سال کی ہو گئی ہو لیکن اس کے دو دانت ابھی نہ نکلے ہوں تو اس کی قربانی درست ہے۔ لیکن محض عام بیچنے والوں کے قول پر کہ یہ جانور پوری عمر کا ہے اعتماد نہیں کر لینا چاہیے اور دانتوں کی مذکورہ علامت کو ضرور دیکھ لینا چاہیے۔

مسئلہ: دنبہ یا بھیڑ اگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کے جانوروں میں رکھیں تو سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو سال بھر سے کم لیکن چھ ماہ سے زائد عمر کے دنبہ اور بھیڑ کی قربانی بھی درست ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو سال بھر کا ہونا چاہیے۔

مسئلہ: جو جانور اندھا یا کانا ہو یا ایک آنکھ کی تہائی روشنی سے زیادہ جاتی رہی ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ: جس جانور کا ایک کان تہائی سے زیادہ کٹ گیا ہو یا دم تہائی سے زیادہ کٹی ہو تو قربانی درست نہیں۔

مسئلہ: جو جانور اتنا لنگڑا ہے کہ فقط تین پاؤں سے چلتا ہے چوتھا پاؤں رکھا ہی نہیں جاتا یا چوتھا پاؤں رکھتا ہے اس سے چل نہیں سکتا اس کی بھی قربانی درست نہیں اور اگر چلتے وقت وہ پاؤں زمین پر ٹیک کر چلتا ہے اور چلنے میں اس سے سہارا لگتا ہے۔ لیکن لنگڑا کر چلتا ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ: اتنا دبلا بالکل مریل جانور جس کی ہڈیوں میں بالکل گودا نہ ہو اس کی قربانی درست نہیں اور اگر اتنا دبلا نہ ہو تو دبلے ہونے سے کچھ ضرر نہیں۔ اس کی قربانی درست ہے۔ لیکن موٹے تازے جانور کی قربانی کرنا زیادہ بہتر ہے۔

مسئلہ: جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں اس کی قربانی درست نہیں اور اگر کچھ دانت گر گئے لیکن جتنے باقی ہیں ان سے اگر وہ چارہ کھا سکتا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔

مسئلہ: جس جانور کی پیدائش ہی سے سینگ نہیں ہیں یا سینگ تو تھے لیکن ٹوٹ گئے یا اوپر سے خول اتر گیا تو اس کی قربانی درست ہے۔ البتہ اگر سینگ جڑ سے یعنی دماغ کی ہڈی کے سرے سے ٹوٹ گئے ہوں یا اکھڑ گئے ہوں اور چوٹ کا اثر دماغ تک پہنچ گیا ہو تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ: رسولی والے جانور کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ: بکری کا اگر ایک تھن یا اس کا سرا کسی آفت سے جاتا رہا ہو یا پیدائش سے ہی نہ ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔ اونٹنی اور گائے کے اگر دو تھن یا ان کے سرے نہ ہوں تو قربانی نہ ہوگی اور اگر صرف ایک نہ ہو تو قربانی ہو جائے گی۔

مسئلہ: بکری کے ایک تھن اور گائے یا اونٹنی کے دو تھنوں سے دودھ اترنا بند ہو گیا ہو یعنی وہ سوکھ گئے ہوں اور باقی سے دودھ آتا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ: بانجھ جانور کی قربانی درست ہے خواہ وہ ابتداء ہی سے بانجھ ہو یا بعد میں ہو گیا ہو۔

مسئلہ: حاملہ جانور کی قربانی ہو جاتی ہے لیکن جس کی ولادت قریب ہو اس کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔ بچہ جو پیٹ میں سے نکلے وہ اگر زندہ ہو تو اس کو بھی ذبح کر لیا جائے اور اس کا بھی کھانا حلال ہوگا اور اگر وہ مردہ نکلے تو اس کو کھانا جائز نہیں۔

مسئلہ: خصی جانور کی قربانی درست ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نے دو سینگ دار اور چتکبرے خصی مینڈھوں کی قربانی کی۔

مسئلہ: اگر جانور قربانی کے لیے خرید لیا تب کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جس سے قربانی درست نہیں تو اس کے بدلے دوسرا جانور خرید کر قربانی کرے۔ ہاں اگر غریب آدمی ہو جس پر قربانی کرنا واجب نہیں تو اس کے واسطے درست ہے کہ اسی جانور کی قربانی کر دے۔

مسئلہ: اگر ذبح کرتے وقت کوئی عیب لگ جائے تو وہ معاف ہے اور قربانی درست ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: گائے، بھینس، اونٹ، میں اگر سات آدمی شریک ہو کر قربانی کریں تو بھی درست ہے لیکن شرط یہ ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں سے کم نہ ہو اور سب کی نیت قربانی کرنے کی یا عقیقہ کی ہو صرف گوشت کی نیت نہ ہو۔ اگر کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہوگا تو کسی کی قربانی درست نہ ہوگی۔ مثلاً آٹھ آدمیوں نے مل کر ایک گائے خریدی اور اس کی قربانی کی تو درست نہ ہوگی کیونکہ ہر ایک کا حصہ ساتویں سے کم ہے۔ اسی طرح ایک بیوہ اور اس کے لڑکے کو ترکے میں گائے ملی اور انھوں نے اس مشترکہ گائے کی قربانی کی تو درست نہیں کیونکہ اس میں بیوہ کا حصہ ساتویں سے کم ہے۔

مسئلہ: گائے اونٹ میں بجائے سات حصوں کے صرف دو حصے ہوں یعنی دو آدمی مل کر ایک گائے یا اونٹ ذبح کریں اور اس طرح اگر دونوں میں سے ہر ایک کے حصہ میں ساڑھے تین حصے ہوتے ہوں تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ دونوں میں سے کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں ہے۔ اسی طرح اگر تین یا چار یا پانچ یا چھ آدمی مل کر ایک گائے کی قربانی کریں تو جائز ہے۔

مسئلہ: کسی نے قربانی کے لیے گائے خریدی اور خریدتے وقت یہ نیت کی کہ اگر کوئی اور مل گیا تو اس کو بھی اس گائے میں شریک کر لیں گے اور قربانی کریں گے۔ اس کے بعد کچھ اور لوگ گائے میں شریک ہو گئے تو یہ درست ہے۔

مسئلہ: ایک شخص نے اپنی قربانی میں پوری گائے یا اونٹ ذبح کیا تو کل کا کل واجب قربانی میں شمار ہوگا اور اگر ایک شخص نے اپنی قربانی میں دو بکریاں ذبح کیں تو ان میں سے ایک واجب اور ایک نفلی ہوگی۔

مسئلہ: کوئی شخص اپنے مال میں سے بطور ایصال ثواب میت کی طرف سے قربانی کرے تو اس میں دو صورتیں ہیں ایک

یہ کہ اپنی طرف سے ایک حصہ قربانی کر کے اس کا ثواب میت کو پہنچادے۔ دوسرے یہ کہ اپنی میت کا نام قربانی کے حصہ پر قرار دے کر قربانی کرے۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں اور دونوں صورتوں میں قربانی کرنے والے کو اختیار ہے جتنا چاہے خود کھائے اور جتنا چاہے فقراء کو دے۔

مسئلہ: جو قربانی دوسرے کی طرف سے بطور ایصال ثواب کی جائے چونکہ وہ قربانی کرنے والے کی ملکیت ہوتی ہے اور دوسرے کو صرف ثواب پہنچتا ہے اس لیے قربانی کا ایک حصہ ایک سے زائد لوگوں کی طرف سے کیا جاسکتا ہے۔

قربانی کا گوشت اور کھال:

مسئلہ: یہ افضل ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کرے۔ ایک حصہ اپنے لیے رکھے ایک حصہ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے لیے اور ایک حصہ فقراء پر صدقہ کرے۔ اگر کوئی زیادہ حصہ فقراء پر صدقہ کردے تو یہ بھی درست ہے اور اگر اپنی عیال داری زیادہ ہے اس وجہ سے سارا گوشت اپنے گھر میں رکھ لیا تو یہ بھی جائز ہے۔

مسئلہ: قربانی کا گوشت فروخت کرنا جائز نہیں۔ اگر کسی نے فروخت کر دیا ہو تو اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: قربانی کی کھال یا تو یونہی خیرات کردے یا اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت صدقہ کردے۔

مسئلہ: گوشت یا کھال کی قیمت کو مسجد کی مرمت یا کسی اور نیک اور رفاہی کام میں لگانا جائز نہیں۔ صدقہ ہی کرنا چاہیے۔

مسئلہ: جس طرح قربانی کا گوشت غنی کو دینا جائز ہے۔ اسی طرح کھال بھی غنی کو دینا جائز ہے جب کہ اس کو بلاعوض دی جائے اس کی کسی خدمت وعمل کے عوض میں نہ دی جائے۔ غنی کی ملک میں دینے کے بعد وہ اگر اس کو فروخت کر کے اپنے استعمال میں لانا چاہے تو جائز ہے۔

مسئلہ: قربانی کا گوشت چربی یا کھال کا فر کو دینا جائز ہے بشرطیکہ کسی کام کی اجرت میں نہ دی جائے۔

مسئلہ: گوشت یا چربی یا کھال قصائی کو مزدوری میں نہ دے بلکہ مزدوری اپنے پاس سے الگ دے۔

مسئلہ: سات آدمی گائے میں شریک ہوئے اور آپس میں گوشت تقسیم کریں تو تقسیم میں اٹکل سے کام نہ لیں بلکہ خوب ٹھیک ٹھیک تول کر بانٹیں کیونکہ کسی حصہ کے کم یا زیادہ ہونے میں سود ہو جائے گا خواہ شریک اس پر راضی بھی ہوں۔ اور جس طرف گوشت زیادہ گیا ہے اس کا کھانا بھی جائز نہیں۔ البتہ اگر گوشت کے ساتھ سری پائے اور کھال کو بھی شریک کرلیا تو جس طرف اگر گوشت ہو تو درست ہے چاہے جتنا کم ہو۔ جس طرف گوشت زیادہ ہو اس طرف سری پائے بڑھائے گئے تو اب بھی سود رہا۔

مسئلہ: اگر ایک جانور میں کئی آدمی شریک ہیں اور وہ سب آپس میں تقسیم نہیں کرتے بلکہ ایک ہی جگہ کچا یا پکا کر فقراء واحباب میں تقسیم کریں تو یہ بھی جائز ہے۔

مسئلہ: تین بھائی یا زیادہ یعنی سات بھائی تک ایک گائے میں شریک ہوں اور کہیں کہ اپنی اپنی ضرورت کا گوشت لے اور باقی فقراء پر تقسیم کر دو تو یہ جائز نہیں بلکہ یا تو پہلے کچھ فقراء کو دے کر پھر باقی کو برابر برابر تقسیم کرلیں یا پہلے برابر برابر تقسیم کریں پھر ہر ایک اپنے حصہ میں سے فقراء کو دے۔

قادیانیت امریکہ کی دہلیز پر

ڈاکٹر عمر فاروق احرار

پاکستان آج کل شدید معاشی اور سیاسی بحرانوں کے گرداب میں ہے۔ان مشکل حالات میں وزیراعظم پاکستان کا امریکہ کا دورہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ایک طرف امریکہ کو افغانستان کا تصفیہ حل کرنے کے لیے پاکستان کا تعاون درکار ہے تو دوسری طرف پاکستان کو اپنے معاشی مسائل کے حل کے لیے امریکہ کا دستِ شفقت ضرورت ہے،لیکن عمران خان کے دورہ سے پہلے ایک پاکستانی عبدالشکور وائٹ ہاؤس کا طواف کر چکا ہے۔جس کے عمران خان کے دورہ پر خاص اثرات مرتب ہونے کا خدشہ پایا جاتا ہے۔جس کے واضح اثرات ونتائج آنے والے وقت میں کھل کر سامنے آئیں گے۔

عبدالشکور چناب نگر کا رہائشی اور مذہباً قادیانی ہے۔وہ چناب نگر میں ممنوعہ قادیانی کتب کی اشاعت اور فروخت کے جرم میں دسمبر 2015ء میں سیکیورٹی فورسز کے ہاتھوں گرفتار ہوا تھا۔اُس کی دکان پر چھاپہ مار کر توہین رسالت پر مبنی مواد اور ممنوع قادیانی کتب برآمد کی گئیں۔اس چھاپے کی نہ صرف وڈیو بنائی گئی، بلکہ تصاویر بھی ریکارڈ کا حصہ بنائی گئی تھیں۔ دکان سے جو متنازع کتب برآمد ہوئیں، ان میں ''کشتی نوح''، ''ایک غلطی کا ازالہ''، ''تفسیر صغیر''، ''تذکرۃ المہدی''، ''جماعت احمدیہ کا تعارف اور حقائق'' کے علاوہ رسالہ ''الفرقان'' سمیت دیگر کئی توہین آمیز کتب اور کتابچے بھی شامل تھے۔عبدالشکور کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ یہ قادیانی جماعت کے شعبہ نشر واشاعت کا سیکرٹری ہے اور اس سے پہلے بھی گستاخانہ مواد پر مشتمل کتب فروخت کرنے کے الزام میں زیرحراست رہ چکا ہے۔مقدمہ چلا اور اُسے آٹھ سال کی سزا (انسداد دہشت گردی کے ایکٹ (اے ٹی اے) 11 ڈبلیو 89 کے تحت پانچ سال اور 298 سی کے تحت تین سال) سنائی گئی۔ اکتوبر 2018ء میں امریکی کانگریس کے ایما پر ہیومن رائٹس کمیشن اور عالمی مذہبی آزادی کی تنظیم نے عبدالشکور کی رہائی کے لیے آواز اٹھانا شروع کی۔صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے 4 مارچ 2019ء کو اپنے سفیر کے ذریعے پاکستان سے اس کی رہائی کا مطالبہ کیا۔پھر 17 مارچ کو یہی مطالبہ امریکی وزیر کی جانب سے بھی کیا گیا اور بالآخر عبدالشکور کو 20 مارچ 2019ء کو رہائی کا پروانہ مل گیا۔اب چند دن پیشتر عبدالشکور کو امریکہ میں پہنچا کر صدر ٹرمپ سے اس کی ملاقات کرائی جا چکی ہے۔

قادیانیت اور سامراجیت کا ساتھ جنم جنم کا ہے۔برطانوی سامراج نے قادیانیت کا خمیر اُٹھایا، پالا پوسا اور جوان کیا، چونکہ قادیانیت کی پیدائش اسلام دشمنی پر اُستوار ہوئی ہے،اس لیے اب حسب ضرورت کبھی برطانوی اور کبھی امریکی سامراج کی قدم بوسی اور احکامات کی وصولی کی جاتی ہے۔پاکستان کو بحرانوں میں لپٹا دیکھ کر قادیانیت پھر اپنے

نصرانی آقاؤں کے قدم بہ قدم کھڑی ہے۔ایک گم نام قادیانی عبدالشکور کو وائٹ ہاؤس میں پذیرائی ملنا معمولی بات نہیں ہے، بلکہ اس کے ذریعے عالمی قوتوں کی طرف سے یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ اُن کا قادیانی گروہ کی شکل میں پاکستان میں عمل دخل اب بھی موجود ہے۔جبکہ دوسری طرف امت مسلمہ بالخصوص پاکستانی مسلمانوں کو قادیانیت کے اثر ورسوخ اور اس کی براہ راست امریکی صدر تک رسائی کے ذریعے مرعوب کرنے کا یہ ایک نفسیاتی حربہ بھی ہے۔جس کی بدولت مخالفین کے لیے اعصابی شکست وریخت کا عمل بروئے کار لانا بھی طاغوتی قوتوں کا مقصود ومطلوب ہے۔

جب بھی آئین کے دائرے میں قادیانیوں کی اشتعال انگیزی کے خلاف ریاستی ادارے کوئی کارروائی کرتے ہیں تو ہمیشہ اسے قادیانیوں کے انسانی حقوق کی خلاف ورزی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔حالانکہ پاکستان میں درجنوں دیگر اقلیتیں بھی موجود ہیں، مگر آج تک اُن کی جانب سے کبھی ایسی کوئی شکایت نہیں کی گئی۔قادیانی اپنے کفر کو چھپانے کے لیے اپنی آئینی حیثیت کو ماننے سے انکاری ہیں اور اپنے مسلمان ہونے پر اِصرار کرتے ہیں۔جس سے مسائل پیدا ہوتے ہیں اور وہ اس طرح خود ہی اپنے لیے مشکلات پیدا کرتے ہیں اور پھر اُن کے نتائج کو عالمی سطح پر پاکستان کے خلاف منفی پراپیگنڈے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔عبدالشکور قادیانی نے بھی امریکی صدر کے سامنے اپنی اور اپنی کمیونٹی کی مظلومیت کا رونا رویا اور پاکستان میں قادیانیوں پر فرضی مظالم کا جھوٹ بولا۔قادیانیوں پر ظلم وستم کی یہ مبالغہ آمیز جھوٹی داستان عبدالشکور نے پہلی بار نہیں دہرائی، بلکہ عالمی استعمار کی شہ پر قادیانی جماعت ہمیشہ اس جھوٹی کہانی کو ایک متعینہ سٹریٹجی اور ایجنڈے کے طور پر استعمال کرتی چلی آرہی ہے۔جس کا مقصد پاکستان کو عالمی سطح پر بدنام کرنا ہے۔جس سے عالمی قوتوں کے لیے پاکستان پر دباؤ ڈال کر اپنی شرائط منوانا آسان ہوجاتا ہے۔اب قادیانی کھل کر سامنے نہیں آتے، بلکہ اپنی سرپرست بین الاقوامی طاقتوں کے سہارے اور لابیوں کی مدد سے پاکستان کو مختلف پابندیوں میں جکڑنے کے لیے کئی حربے استعمال کرتے ہیں۔جن کے نتیجہ میں بین الاقوامی معاہدوں، غیر ملکی امداد اور مذاکرات کے دوران مذہبی آزادی کے نام پر پاکستان پر مختلف پابندیاں عائد کی جاتی ہیں اور من مانی شرائط منوانے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔قانون توہین رسالت کا مسئلہ اس کی واضح مثال ہے۔جس کے خاتمہ کے لیے یورپی یونین اور امریکہ یک آواز اور مصروف عمل ہیں۔

امریکہ نے قادیانیوں کے سرپرست ہونے کا عندیہ دے کر دینی قوتوں کے خلاف اور قادیانیوں کی حمایت میں کھڑا ہونے کا اشارہ دے دیا ہے۔اب تحفظ ختم نبوت محاذ پر سرگرم جماعتوں کے خلاف کھلم کھلا کارروائیوں اور کریک ڈاؤن کا امکان پیدا ہوچکا ہے۔یہ کٹھن وقت اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ دینی قوتوں کے ذمہ دار مشترکہ لائحۂ عمل تیار کریں اور عدم تشدد کی پالیسی کو برقرار رکھتے ہوئے ختم نبوت کا پیغام عام کریں، قادیانیوں کی تخریبی واشتعال انگیز سرگرمیوں کو بین الاقوامی فورم پر آشکار کریں اور پاکستان کے خلاف منفی پراپیگنڈہ کے سدباب کے لیے اُن کی مذموم کارروائیوں کو منظر عام پر لاکر رائے عامہ کو ہموار کریں، تاکہ اُن کی مبینہ مظلومیت کی نقاب کوشائی ہوکر حقیقت عیاں ہوجائے۔

آرمی چیف اور وفاقی وزراء کے ساتھ سرکردہ علماء کرام کی حالیہ ملاقات

مولانا زاہد الراشدی

چیف آف آرمی اسٹاف محترم جنرل قمر جاوید باجوہ، وفاقی وزیر تعلیم جناب شفقت محمود اور وفاقی وزیر مذہبی امور ڈاکٹر پیر نور الحق قادری کے ساتھ مختلف مکاتب فکر کے سرکردہ علماء کرام کی ۱۶ر جولائی کو ہونے والی ملاقات کی تفصیلات مختلف خبروں اور کالموں میں قارئین کی نظر سے گزر چکی ہوں گی، راقم الحروف بھی اس ملاقات میں شریک تھا اور ایک خاموش سامع کے طور پر پوری کاروائی کا حصہ رہا۔ مجھے جب اس میں شریک ہونے کی دعوت دی گئی اور بتایا گیا کہ یہ دینی مدارس کے سلسلہ میں ہونے والی گزشتہ ملاقاتوں کے تسلسل میں ہے تو میں نے مولانا قاری محمد حنیف جالندھری سے رابطہ کر کے کہا کہ میں ان معاملات میں خود کو وفاق المدارس کے دائرے میں سمجھتا ہوں اس لیے وفاقوں کی قیادتوں کی موجودگی میں میری شرکت کی زیادہ ضرورت شاید نہیں ہے۔ خیال تھا کہ وہ کچھ ڈھیلی بات کریں گے تو گنجائش مل جائے گی مگر انہوں نے اصرار کیا کہ مجھے ضرور حاضر ہونا چاہیے، اس لیے میں پہنچ گیا۔

دینی مدارس کے ساتھ حکومتوں کے معاملات کئی عشروں سے چل رہے ہیں اور بہت سے معاہدات اب تک ہوئے ہیں جو ریکارڈ پر ہیں، لیکن عملی صورتحال یہ ہے کہ ان مذاکرات و معاہدات میں جو باتیں دینی مدارس کے وفاق مان لیتے ہیں ان پر عملدرآمد کے لیے رسمی اور غیر رسمی سب ادارے الرٹ اور متحرک ہو جاتے ہیں، مگر جو امور حکومتی ادارے اپنے ذمہ لیتے ہیں وہ ''خلا'' کی نذر ہو جاتے ہیں بلکہ ان میں سے کوئی بات دوبارہ معلوم کرنی پڑ جائے تو پرانی فائلوں کی ورق گردانی کے بغیر اس کا سراغ نہیں ملتا۔ میں نے اس سلسلہ میں ایسے ہی ایک موقع پر گزارش کی تھی کہ ایک مشترکہ ورکنگ گروپ ان معاہدات کے حوالہ سے بنایا جائے جو اب تک ہونے والے معاہدات کو جمع کرے، طے شدہ امور کی نشاندہی کرے، ان پر عملدرآمد نہ ہونے کے اسباب کا تعین کرے، اور اس کے بعد کسی نئے معاہدہ یا فیصلہ کی بات کی جائے۔ مگر اس طرح کی باتیں سنجیدگی کے ساتھ سننے کا ہمارے ہاں ابھی تک ماحول نہیں بن سکا۔

اس پس منظر میں یہ ملاقات واقعتاً بہت اہمیت رکھتی تھی اور اس میں ''اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ'' اور دینی مدارس کے وفاقوں کی قیادتوں کے ساتھ ملک بھر سے مختلف مکاتب فکر کے سرکردہ علماء کرام کی بھرپور شرکت نے اس کی اہمیت و وقعت میں اضافہ کر دیا تھا۔ جبکہ سب سے زیادہ اہمیت کی بات یہ تھی کہ وفاقی وزیر تعلیم اور وزیر مذہبی امور کے ساتھ چیف آف آرمی اسٹاف کی شرکت اور کئی گھنٹے پوری توجہ کے ساتھ بحث و مباحثہ میں حصہ لینا سابقہ معمول سے ہٹ کر تھا جس کو سبھی شرکاء نے سراہا اور اسے دینی مدارس کے نظام تعلیم کے ساتھ ان کی گہری دلچسپی اور دینی حلقوں کے مسائل و مشکلات کے حل کے لیے ان کے عزم پر محمول کیا گیا۔

اجلاس میں چیف آف آرمی اسٹاف کے علاوہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا مفتی منیب الرحمان، مولانا قاری محمد

حنیف جالندھری اور علامہ ریاض حسین نجفی نے تفصیلی گفتگو کی۔ جبکہ وزیر تعلیم، وزیر مذہبی امور، مولانا یاسین ظفر، صاحبزادہ حامد رضا، حافظ طاہر محمود اشرفی اور دیگر حضرات نے بھی بحث میں حصہ لیا۔ جنرل باجوہ کی گفتگو میں زیادہ زور ان امور پر تھا:

☆ دینی مدارس سے لاکھوں کی تعداد میں فارغ التحصیل ہونے والے حضرات کی معاشرہ میں کھپت اور مختلف شعبوں میں ان کی باوقار ایڈجسٹمنٹ کا نظم بننا چاہیے۔

☆ دینی مدارس کے فضلاء کو صرف ایک شعبہ میں محدود نہیں رہنا چاہیے بلکہ قومی زندگی کے تمام شعبوں میں مؤثر کردار ادا کرنا چاہیے۔

☆ معاشرہ کے تمام شعبوں میں دینی تعلیم وتربیت سے بہرہ ور حضرات کی ضرورت ہے اور اسی سے ان شعبوں کی اصلاح ہو سکتی ہے، اس خلا کو پر کرنے کے لیے دینی مدارس کے فضلاء کو آگے لانا چاہیے۔

☆ دینی مدارس کے سب فضلاء کے لیے سند اور ڈگری میں یکسانیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے، سب کو مختلف درجات میں ایک ہی سند ملنی چاہیے تاکہ ان کے بارے میں عمومی ماحول میں تعلیمی معیار اور فرقہ وارانہ شناخت کے حوالہ سے پائے جانے والے منفی تاثرات کو ختم کیا جا سکے۔

محترم باجوہ صاحب کا کہنا تھا کہ یہ بحیثیت آرمی چیف ان کی ذمہ داری نہیں ہے، یہ وفاقی محکموں اور متعلقہ ریاستی اداروں کا کام ہے، وہ صرف اس لیے اس میں دلچسپی لے رہے ہیں کہ دینی مدارس کے وفاقوں کو شکایت رہتی ہے کہ ان کے ساتھ کیے گئے معاہدات پر عملدرآمد نہیں ہوتا اور بہت سے امور میں ان کے ساتھ ناانصافی روا رکھی جاتی ہے، وہ ان شکایات کی تلافی کے لیے ضامن کے طور پر درمیان میں آئے ہیں اور طے ہونے والے امور پر عملدرآمد کی گارنٹی دے رہے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اس سلسلہ میں عملی تجویز یہ سامنے آئی ہے کہ دینی مدارس کی آزادی وخودمختاری کو چھیڑے بغیر اور ان کے نصاب وتربیتی نظام میں کسی قسم کی مداخلت کیے بغیر ان کے امتحانات کے نظام کو وفاقی تعلیمی بورڈ کی نگرانی میں دے دیا جائے اور اس کے لیے ملک بھر میں ایک درجن کے لگ بھگ دفاتر قائم کر کے مدارس کو ان کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ نیز میٹرک کے بعد انٹرمیڈیٹ کو بھی دینی مدارس کے لیے لازم کیا جائے تاکہ سب کو ایک ہی طرز کی سند ملے اور اسناد کے بارے میں پایا جانے والا کنفیوژن ختم ہو جائے۔

دوسری طرف دینی مدارس کے وفاقوں کی طرف سے ایک مشترکہ موقف اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ کے سیکرٹری جنرل مولانا مفتی منیب الرحمان نے تحریری شکل میں پیش کیا اور پڑھ کر سنایا جس میں مندرجہ بالا امور میں سے اکثر کے ساتھ اتفاق کا اظہار کرتے ہوئے آخری شق یعنی دینی مدارس کے امتحانات کے نظام کو وفاقی تعلیمی بورڈ کے کنٹرول میں دینے کی تجویز سے اختلاف کیا گیا اور اس پر تحفظات کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا کہ یہ قابل قبول نہیں ہے۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا مفتی منیب الرحمان، مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، علامہ ریاض حسین نجفی اور دیگر حضرات کی تفصیلی گفتگو کے اہم پہلو یہ ہیں:

☆ دینی وعصری تعلیم کے امتزاج اور یکسانیت سے کوئی اختلاف نہیں ہے اور دینی مدارس میں عصری تعلیم کے مضامین کی تعلیم وتدریس بتدریج آگے بڑھ رہی ہے۔ البتہ امتحانات کے طریق کار اور میکنزم پر ابھی تک کوئی متفقہ بات طے نہیں ہو

سکی اور اس سلسلہ میں تحفظات بدستور موجود ہیں جنہیں باہمی مذاکرات کے ذریعے رفتہ رفتہ دور کیا جا سکتا ہے۔

☆ دینی مدارس کے وفاقوں کے ساتھ مختلف حکومتوں کے معاہدات موجود ہیں مگر معاہدات میں طے شدہ امور کو نظر انداز کر کے ہر بار نئے سرے سے زیرو پوائنٹ سے بات شروع کی جاتی ہے جو مسائل کے حل نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ ہے۔ اس لیے اب تک ہونے والے معاہدات کو تسلیم کرتے ہوئے طے شدہ امور سے آگے کے معاملات پر گفتگو کی جائے اور ہر بار متفقہ طور پر طے ہو جانے والے امور کو ری اوپن کرنے کا رویہ ترک کیا جائے۔

☆ حکومتوں کی پالیسیاں اور ترجیحات بدلتی رہتی ہیں، اس لیے ان کے ساتھ دینی تعلم کے معاملات کو منسلک کرنے سے دینی تعلیم کا تسلسل اور ماحول عدم استحکام کا شکار ہو جائے گا۔ چنانچہ دینی مدارس کسی سرکاری مداخلت کے بغیر اپنا تعلیمی نظام آزادانہ ماحول میں جاری رکھنے پر اس لیے بھی مصر ہیں تا کہ بار بار بدلتی ہوئی حکومتی پالیسیاں ان کے نظام کو ڈسٹرب نہ کر سکیں اور وہ دلجمعی کے ساتھ اپنا کام کرتے رہیں۔

☆ دینی مدارس کے امتحانی نظام کو کسی ایک بورڈ کے ساتھ ملحق کرنے کی بجائے ان کے منظم و مربوط وفاقوں کو تعلیمی بورڈز کی شکل میں تسلیم کیا جائے جیسا کہ پرائیویٹ سیکٹر میں اور بھی بہت سے تعلیمی بورڈوں کو تسلیم کیا گیا ہے اور وہ آزادی کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔

☆ دینی مدارس عصری مضامین کو خود اپنی ضرورت سمجھتے ہیں اور ہر سطح پر انہیں ایڈجسٹ کرنے کے لیے تیار ہیں بلکہ وہ عملاً ایسا کر بھی رہے ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان کے تعلیمی نظام کا بنیادی مقصد، ماحول اور نیٹ ورک متاثر نہ ہو اور اس معاملہ میں ان کی طرف سے کسی کمپرومائز کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔

☆ دینی مدارس اس بات کو شدت کے ساتھ محسوس کر رہے ہیں کہ تعلیمی اصلاحات کو ''مدرسہ تعلیمی اصلاحات'' کے نام سے متعارف کرا کے تبدیلی کے لیے صرف انہی کو ٹارگٹ کیا جا رہا ہے، حالانکہ تعلیمی نصاب و نظام میں یکسانیت اور اصلاحی عمل کے لیے ریاستی اداروں اور پرائیویٹ سیکٹر کے دیگر تعلیمی نظاموں میں بھی بنیادی اصلاحات کی ضرورت ہے مگر ان کے ماحول میں اس قسم کی کوئی تجویز یا سرگرمی سامنے نہیں آ رہی، جس سے یہ سارا عمل یکطرفہ دکھائی دیتا ہے۔ اس تاثر کو دور کرنے کے لیے اسے مجموعی تعلیمی نظام میں اصلاحات کا عنوان دیا جائے اور ملک میں رائج تمام تعلیمی نظاموں کو نصاب اور تربیتی و نظریاتی ماحول کے حوالہ سے ہم آہنگ کرنے کے لیے مؤثر عملی اقدامات کیے جائیں۔

☆ چیف آف آرمی اسٹاف کی طرف سے طے شدہ معاملات پر عملدرآمد کی ضمانت اور یقین دہانی بہت خوش آئند امر ہے جو دینی تعلیم اور علماء و طلبہ کے ساتھ ان کی ہمدردی کی علامت ہے اور ان کی موجودگی میں اس پر ہم اعتماد رکھتے ہیں، مگر دیگر ریاستی اداروں کی طرح فوج کے محترم اور مؤقر ادارے کو بھی حکومتوں کی تبدیلیوں اور پالیسیوں کے تغیرات سے محفوظ تصور نہیں کیا جا سکتا، اس لیے صرف اس بنیاد پر ہم دینی مدارس کے نظام اور پالیسیوں میں کسی جوہری تبدیلی کو قرین قیاس نہیں سمجھتے۔

اس موقع پر بعض حضرات کی طرف سے یہ بات سامنے آئی کہ دینی مدارس کے نظام پر پانچ وفاقوں کی اجارہ داری ضروری نہیں ہے، دوسرے اداروں کو بھی سامنے آنا چاہیے۔ جس کے جواب میں کہا گیا کہ اجارہ داری کی بات تو تب ہو کہ وفاقوں کی طرف سے مدارس کے الحاق میں کوئی جبر کیا جاتا ہو۔ ایسی کوئی صورت موجود نہیں ہے، کوئی بھی مدرسہ اپنی مرضی کے

ساتھ کسی بھی وفاق کے ساتھ اس کی شرائط کے مطابق الحاق کرسکتا ہے اور اسے ایسا نہ کرنے کا اختیار بھی حاصل ہے۔ چنانچہ ملک میں بے شمار ایسے مدارس موجود ہیں جو کسی وفاق کے ساتھ الحاق کے بغیر اپنا کام کر رہے ہیں اور ان پر کسی طرف سے کسی قسم کا دباؤ موجود نہیں ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ دینی مدارس کے ان وفاقوں سے ہٹ کر سرکاری اور غیر سرکاری دائروں میں بہت سے بورڈ قائم ہوئے ہیں اور انہوں نے دینی مدارس کو اپنے ساتھ جوڑنے کی مسلسل کوشش کی ہے، مگر ملک کا عمومی دینی ماحول انہیں قبول نہیں کر رہا۔ اب اگر دینی مدارس کے پانچ وفاقوں سے ہٹ کر بننے والا کوئی وفاق یا بورڈ طلبہ اور اساتذہ کو اپنے ساتھ مانوس کرنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تو اسے پانچ وفاقوں کی اجارہ داری قرار دینا بہر حال انصاف کی بات نہیں ہے۔

ان سب امور اور دیگر متعلقہ باتوں پر اس اجلاس میں کھل کر بات ہوئی اور تینوں شخصیات جنرل قمر جاوید باجوہ، جناب شفقت محمود اور ڈاکٹر پیر نور الحق قادری نے پورے حوصلہ اور تحمل کے ساتھ سب کی باتیں سنیں، البتہ بعض مواقع پر گرما گرمی اور جذباتیت کی فضا پیدا ہوئی جسے آخر میں مولانا قاری محمد حنیف جالندھری موقع کی مناسبت سے اپنی معتدل گفتگو کے ساتھ پھر سے توازن کی راہ پر لے آئے۔ اور نشست کا اختتام اس اصولی فیصلے پر ہوا کہ وفاقی وزیر تعلیم کے ساتھ وفاقوں کی قیادتوں کی فوری نشست ہونی چاہیے جس میں سابقہ فیصلوں بالخصوص اسی سال ۶ مئی کو طے ہونے والے امور پر عملدرآمد کا جائزہ لیا جائے اور ان میں عملی پیشرفت کا اہتمام کیا جائے۔ یہ ملاقات اس سے اگلے روز ۷ جولائی کو ہو چکی ہے جس کے فیصلے وفاقی وزیر تعلیم کے حوالہ سے سامنے آ گئے ہیں۔

مجموعی طور پر یہ ملاقات بہت اچھی اور مفید رہی اور اگر یہ تسلسل اسی طرح جاری رہا تو اس کے نتیجہ خیز ہونے کی توقع بھی کی جا سکتی ہے۔ البتہ ایک دو باتیں اس دوران مجھے ذاتی طور پر بہت کھٹکیں جن میں سے ایک کا تعلق تو شاید حساس معاملات کے ساتھ سمجھا جائے اس لیے اس کا ذکر نہیں کروں گا، مگر دوسری بات کا تذکرہ میرے خیال میں مناسب ہوگا، وہ یہ کہ مولانا مفتی منیب الرحمان نے پانچوں وفاقوں کی طرف سے جو متفقہ تحریری موقف پڑھ کر سنایا اس کے آخر میں دینی مدارس کو درپیش اس مشکل کا ذکر تھا جو انہیں قربانی کی کھالوں کے حوالہ سے گزشتہ چند سالوں سے درپیش ہے۔ لیکن اس پر مجلس میں جو ردعمل دیا گیا اسے کم از کم الفاظ میں غیر سنجیدہ ہی کہا جا سکتا ہے جس کی مجھے بہر حال توقع نہیں تھی۔ ملک کے مختلف حصوں کے دینی مدارس کو اس عملی مشکل کا کئی سالوں سے سامنا ہے کہ عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کی کھالوں تک ان کی رسائی میں رکاوٹیں بڑھتی جا رہی ہیں جو ان کی آمدنی کا ایک معقول اور جائز ذریعہ ہے۔ اور عملی صورتحال یہ ہے کہ ہر سال بہت سے اضلاع میں عید کی چھٹیوں کے باوجود ضلعی انتظامیہ کو الرٹ اور متحرک کر دیا جاتا ہے، چھاپے مارے جاتے ہیں، گرفتاریاں ہوتی ہیں اور مقدمات درج ہوتے ہیں جس سے خوف و ہراس کا ماحول قائم ہو جاتا ہے۔ جبکہ دینی مدرس کی قیادتوں کی طرف سے اعلیٰ سطحی اجلاس میں یہ شکایت پیش کرنے پر اسے جس ''خندہ استہزا'' کا نشانہ بننا پڑا وہ قطعی طور پر غیر متوقع اور غیر سنجیدہ بات تھی جو میرے جیسے شخص کو بھی ہضم نہیں ہو رہی، اور میں اس وقت سے ورطۂ حیرت میں ہوں کہ اگر دینی مدارس کی عملی اور جائز شکایات کو اسی قسم کے ردعمل کا سامنا کرنا ہے تو ان کے نظام کو بہتر بنانے، انہیں تعاون و سرپرستی فراہم کرنے، ان کو تمام قومی شعبوں میں شریک کرنے اور ان کی مشکلات و مسائل کے حل کے لیے کیے جانے والے دیگر وعدوں اور ضمانتوں کو کس کھاتے میں شمار کیا جائے گا؟

حمدِ باری تعالیٰ عزوجل

عظیم راہی

آساں ہے کہ مشکل مرے مالک مرے مولا
تُو ہے مری منزل مرے مالک مرے مولا

بس ایک جھلک ایک جھلک ایک جھلک بس
میں ہوں ترا بسمل مرے مالک مرے مولا

گم راہ ہوں بے یار ومددگار نہیں ہوں
دکھلا مجھے منزل مرے مالک مرے مولا

جس دل کو ترے ذکر سے آرام نہ آئے
کس کام کا وہ دل مرے مالک مرے مولا

اک اشکِ ندامت کے سوا کیا ہے مرے پاس
وہ بھی ترے قابل؟ مرے مالک مولا

پڑتا نہ ترا عکس تو ممکن ہی نہیں تھی
یہ تاب وتب ِگل مرے مالک مرے مولا

راہی کو کسی شمع کا پروانہ بنادے
اے صاحب محفل مرے مالک مرے مولا

نعت

سید محمد ابوالخیر کشفی

یہ سلسلۂ صدق و صفا کس سے ملا ہے؟
افکار کو اندازِ حیا کس سے ملا ہے؟

کس نام سے ملتی ہے شفا اہلِ جہاں کو
کونین کو یہ حرفِ دعا کس سے ملا ہے؟

ہر نقش میں ایک شانِ کریمی ہے خدا کی
یہ پردہ انوار و ضیا کس سے ملا ہے

یہ دولت اندازِ نظر کس کا کرم ہے
یہ سلسلۂ فکرِ رسا کس سے ملا ہے؟

سرکار دو عالم ﷺ کے سوا کون امیں ہے؟
اللہ کا پیغام ہدیٰ کس سے ملا ہے؟

اس ذات محمد ﷺ کے سوا، کوئی بتائے
انسان کو مفہوم رضا کس سے ملا ہے؟

کشفی کو عطا کس سے ہوئے اشکِ محبت
آواز کو یہ رنگ صفا کس سے ملا ہے؟

ردّ شرک

(غیر مطبوعہ سرائیکی نظم)

مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ

ناں کوئی کشتی پار لگاوے ناں کوئی بُڈی تارے
ناں کوئی مُردے زندہ کردا ناں کوئی زندیاں مارے

ناں کھوٹی قسمت کھری کرے ناں سُکی کوئی ہری کرے
لکھ واری بھانویں علی علی تے بری بری وی پیا کرے

ناں بھینڑاں کوں ویر ڈیوے ناں دھیاں نوں کوئی پُتر
ناں قسمت دا کوئی چن چڑھاوے مول ڈیوے ناں اُتر

مٹی روڑ تے دانڑیں پھلے بھانویں کھانویں پتّر
پاک پتن دی دری لنگھیں لال شہباز تے جھمر

پیر پیراں دی یارھی ڈینویں اٹا گھٹا شکر
نوں راتا کٹیں قبراں تے بھانویں ماریں چالھی چکر

اللہ خالق مالک باجھوں کون مکاوے چکر
خالق چھڈ مخلوق توں منگیں بیڑیاں پانویں پتھر

جیہڑا اللہ دا در چھوڑے اوندی قسمت گئی اے ہر
بندیاں وچوں بندہ نئیں حیواناں وچوں خر

تو آدمی نہیں یزداں کی اک نشانی ہے

سید عبدالحمید عدمؔ

معروف شاعر سید عبدالحمید عدمؔ مرحوم، 7/ مارچ 1959ء کو ایک مشاعرے میں شرکت کے لیے ملتان آئے تو اگلے روز حافظؔ لدھیانوی مرحوم کے ہمراہ امیر شریعت کی خدمت میں حاضر ہوئے، دست بوسی کی، چائے پی اور ارتجالاً یہ اشعار آپ کی نذر کیے۔ امیر شریعت کی فرمائش پر اپنی دو غزلیں سنائیں اور باچشم گریاں واپس لوٹے۔ یہ اشعار ممتاز صحافی م ش کے ہفت روزہ اقدام لاہور میں شائع ہوئے۔ (مدیر)

☆.....☆.....☆

قسم خدا کی نہیں بلکہ آدمیت کی
قسم حسینؓ کی آلودہ خوں سیادت کی

قسم ضمیرِ مشیّت کی جو فروزاں ہے
قسم شرافتِ کردار کی جو قرآں ہے

زمانہ سینکڑوں چکّر بھی یار اگر کاٹے
ہزار گردشِ لیل و نہار اگر کاٹے

ہزار خسرو و سلطان اگر کرے پیدا
ہزار مسند و ایواں اگر کرے پیدا

ترے وجود کا سایہ بھی پا نہیں سکتا
دروغ ، صدق سے آنکھیں ملا نہیں سکتا

تو آدمی نہیں یزداں کی اک نشانی ہے
ترے بڑھاپے میں احرار کی جوانی ہے

حضرت امیر شریعت کے یومِ وصال پر

(۲۱/اگست ۱۹۶۱) سید عبدالحنان حامد (مدینہ منورہ)

غمِ جدائی ہے جان لیوا، قرار دل کو کہیں نہیں ہے
ہزار ڈھونڈا جہاں میں لیکن کوئی بھی تجھ سا حسیں نہیں ہے

ترا تکلم، تری خطابت، تری وہ مسحور کن قراء ت
مثال اپنی تو آپ ہی تھا کوئی بھی تیرا قریں نہیں ہے

فضا میں برسائے پھول تو نے، لٹائے حکمت کے تو نے موتی
جہاں نہ پہنچے ہوں تیرے نغمے، کوئی بھی ایسی زمیں نہیں ہے

خدا کے فرمان کا تھا حامل، نبی کی ناموس کا محافظ
متاعِ الفت کا وہ امیں تھا، کہ تجھ سا کوئی امیں نہیں ہے

زمانہ حامدؔ سے کہہ رہا ہے: ''بخاری دنیا سے چل بسا'' تو
مگر تیری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا قادیان میں پہلا خطاب

(ماہنامہ ''انجمن تائید اسلام'' کی رپورٹ)

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری قادیانیت کے خلاف مسلسل نبرد آزما تھے، حتیٰ کہ وہ قادیانیت کے تعاقب کے لیے قادیان میں تشریف لے گئے اور وہاں پہلی بار آپ نے مسلمانوں سے خطاب بھی کیا۔ انجمن اسلامیہ قادیان کا تین روزہ پانچواں سالانہ جلسہ 3,2,1/اپریل 1924ء کو قادیان میں منعقد ہوا۔ جلسہ سے ایک روز پہلے (31/مارچ) کو دیوبند کے ممتاز علماء کرام کا ایک وفد محدث العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری کی قیادت میں بٹالہ پہنچ گیا تھا، جن کی رہائش کا انتظام حاجی عبدالغنی رئیس بٹالہ کی قیام گاہ پر کیا گیا تھا۔ ان علما کرام نے رات کو بٹالہ میں انجمن شباب المسلمین کے زیر اہتمام مسلمانوں کے عظیم الشان اجتماع سے بھی خطاب فرمایا۔

یکم اپریل کو تمام علما قادیان تشریف لے گئے۔ قادیان میں تین روزہ جلسہ علامہ انور شاہ کشمیری کی صدارت میں منعقد ہوا، جس سے مولانا بدر عالم، مولانا نور احمد امرتسری (۱)، مولانا سید مرتضیٰ حسن (چاندپوری)، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبدالعزیز گورداس پوری، مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی، بابو حبیب اللہ امرتسری، مولانا ابوتراب عبدالحق ایڈیٹر ''اہل سنت'' امرتسر، مولانا بہاء الحق قاسمی (امرتسری) اور مولوی امام الدین امرتسری نے بھی خطاب کیا۔

جلسہ کی دوسری نشست 2/اپریل کی رات بارہ بجے ختم ہوئی۔ اکثر علما اور سامعین اپنی رہائش گاہوں پر چلے گئے اور چند مسافر سائبان کے نیچے آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ ساڑھے بارہ بجے کے قریب قادیانی آئے اور آتے ہی گیس کے جلتے ہوئے لیمپ توڑ ڈالے، میز اور کرسیاں الٹ دیں اور محو آرام مسافروں کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ مستری محمد ابراہیم بٹالوی کو جنہوں نے علما کو بٹالہ سے قادیان لانے کے لیے موٹروں کا انتظام کیا تھا، سر میں شدید ضربات لگا کر زخمی کر دیا۔ شرپسند قادیانیوں نے علما کی رہائش گاہوں پر بھی حملہ کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ منتظمین کی بروقت کارروائی کی وجہ سے ایسا کرنے میں ناکام رہے۔ پولیس کے پہنچنے پر قادیانی بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ قادیانیوں کا یہ شدت پسندانہ اقدام علماء کرام کو قادیانیت کے خلاف جلسہ کی مزید کارروائی جاری رکھنے سے روکنا تھا، لیکن اس کے باوجود دینی رہنماؤں نے خوف زدہ ہونے کے بجائے جلسہ کو جاری رکھا۔

جلسہ کی تیسری اور آخری نشست 3/اپریل کی صبح کو شروع ہوئی۔ 9/بجے مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بٹالہ سے قادیان تشریف لائے اور فوراً آپ کا بیان شروع ہوگیا۔ آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ

''حضرات! اِس ''مقدس'' اور ''پیغمبر زا'' سرزمین پر میری حاضری کا یہ پہلا موقع ہے، جہاں ایک (جعلی) ''نبی'' گزر چکا ہے۔ مسلمانوں پر یہ عجب مصیبت کا وقت ہے۔

(۱) حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے استاد

میں بے وقت پہنچا ہوں اور آپ لوگ مجھ سے پہلے بہت کچھ کہہ چکے ہیں، میں مختصر ہی کہوں گا، اس لیے کہ (رات کی مار پیٹ کی طرف اشارہ کر کے) بہت کچھ تو آپ کو ''سمجھا'' دیا گیا ہے اور باقی آئندہ سمجھا دیے جاؤ گے۔

مسئلہ خلافت عرصہ سے معرض خطر میں تھا۔ مسلمانوں کی باہمی تفرقہ اندازی میں مخالفین کامیاب ہو گئے تھے۔ مجھے مرزائی اخبار ''الحکم'' کے حوالہ سے کہا گیا ہے کہ جس خلافتِ [عثمانیہ] پر عطاء اللہ شاہ مرثنا کہتا تھا، وہ تو اَب خود مٹ گئی ہے۔ لہٰذا اُس کو اب یہاں قادیانی خلیفہ کی خلافت میں آجانا چاہیے۔ اللہ، اللہ

نہ من بر آں گلِ عارض غزل سرایم وبس

(ترجمہ: صرف میں ہی اس گلاب جیسے عارض کا مدح سراح نہیں ہوں)

حرمِ محترم بیت اللہ شریف اور مدینۃ الرسول میں جہاں جُوں تک مارنا منع ہے، وہاں مسلمانوں کا خون بہایا جائے، بندگانِ خدا گولیوں کا نشانہ بنائے اور شہید کیے جائیں اور سینکڑوں قید ہوں تو یہ جماعتِ مرزائیہ قاتلوں سے اظہار دوستی کرے، مگر ہم مسلمانوں سے دشمنی۔ میں اور کیا کہوں

بت کریں آرزو خدائی کی
شان تیری ہے کبریائی کی

ہم میں سے کسی کو چھینک آجائے، زکام یا کھانسی ہو جائے یا بے وقت حاجت ہونے لگے تو مرزا صاحب کی پیشین گوئی پوری ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

پہلے ابا جان اپنی نبوت منوانے کے لیے دنیا جہاں کی خرابیوں کو دلیل بناتے تھے اب صاحبزادے بھی اپنی خلافت منوانے کے لیے دوسروں کی غلطیوں کو معیار ٹھہراتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ان دونوں باپ بیٹا کے پاس پیش کرنے کے لیے اپنا بھی کوئی کارنامہ ہے؟ سعدی کیسے برمحل یاد آیا ہے

کس نیاید بزیر سایۂ بوم
در ہما شود از جہاں معدوم

(ترجمہ: اگر چہ دنیا سے ''ہما'' کا خاتمہ بھی ہو جائے کوئی ''الو'' کے زیر سایہ پھر بھی نہیں آئے گا)

قادیان میں وہ آئے جو کچھ لے کر آئے، کیونکہ یہاں پیٹ پوجا ہوتی ہے اور ہم خدا پوجا کرتے ہیں۔ ہمارا یہاں کیا کام؟ (غالباً یہ جملہ ''الحکم'' کا جواب تھا۔) اس موقع پر مولانا نور احمد امرتسری نے کہا کہ ''مرزائی کہتے ہیں کہ ہم نے یورپ میں اسلام پہنچایا۔'' جس کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ

ضرور! کچھ تو یہاں ہی پہنچا دکھایا ہے (رات کے تشدد کی طرف اشارہ کر کے) اور آج رات تو گلی کوچوں میں بھی بہتا رہا ہے۔ پھر آپ نے اخبار ''زمیندار'' کے حوالہ سے ایک مضمون بیان کیا جو ترکی اخبارات سے لیا گیا تھا جو اسلام آباد (ہندوستان) کی کسی مرزائیوں کی عبادت گاہ کے امام نے بھیجا ہے۔ اِس میں ترکی کی خلافت مٹنے پر مبارک باد دی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سات

کروڑ مسلمانانِ ہندوستان تو خلافت کو مانتے ہیں، سوائے قادیانیوں کے۔ میں اس کے سوا کیا کہہ سکتا ہوں کہ ''ڈھائی ٹوٹرو تے ڈیرہ ڈھپرایاں دا'' (ترجمہ: خوراک تھوڑی اور کھانے والے زیادہ) کے مصداق ہیں۔

میں نے گوجرانوالہ کے جلسہ میں علما سے کہا تھا کہ میں مرزا کو مجدد، امام، نبی اور رسول ماننے کو تیار ہوں، بشرطیکہ قرآن و حدیث میں کوئی جواز ہو، مرزا میں نبی اور مجدد وغیرہ کی کوئی ایک صفت تو ہو۔ کیا میں ''کُڑیاں دے مگر پھرن والے نوں نبی من لاں''۔ (یعنی کیا میں لڑکیوں کے پیچھے پھرنے والے کو نبی مان لوں؟ غالباً یہ اشارہ محمدی بیگم کی طرف ہے۔)

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اِس گمراہی (مرزائیت) سے بچائے۔ مرزا مرگیا ہے۔ اُس کا معاملہ اب خدا سے ہے۔ آپ لوگوں نے جو اینٹ یہاں رکھی اور جو بُوٹا لگایا ہے، اُس کو سرسبز رکھنا۔ یہ نہایت مبارک تجویز اور میرا ایمان ہے کہ مرزائیت کی بیخ کنی کے لیے آپ نے یہاں انجمن قائم کی ہے اور بیرون جات میں جہاں جو کچھ ہو رہا ہے تو وہ بعینہٖ ''کھوتا مویا کھاریاں تے مکانڑ وزیرآباد'' کا مصداق ہے۔

مسلمانو! مرزائیت سے بچنا۔ اُن کو گالی مت دینا۔ اُن کی طرف ہاتھ نہ اٹھانا۔ اکالی صاحبان سے بھی میری درخواست ہے کہ ضرورت کے وقت وہ قادیان کے اِن غریب مسلمانوں کی ضرور مدد کریں۔ مسلمانو! اس انجمن کو ضرور قائم رکھو۔ آج رات کے خون سے یہ بُوٹا اور بھی اچھا بار آور ہوگا اور عمدہ پھل لائے گا۔ آپ لوگ جبر و تشدد سہیں اور اپنے کام میں لگے رہیں۔''

پونے دس بجے سیّد صاحب اپنی پُرزور اور مؤثر تقریر ختم کر کے بذریعہ موٹر بٹالہ کو واپس ہو گئے۔ [1]

1. ماہنامہ ''انجمن تائید اسلام''، لاہور 15 رمئی 1924ء، صفحہ 19,18,17

قائم شدہ 1968ء

موبائل: 0302-8630028
فون: 061-4552446

سلیم اینڈ کمپنی

ہمارے ہاں ہمہ قسم الیکٹرونکس، اے سی، فریزر، ایل سی ڈی، ایل ای ڈی وغیرہ
خاص طور سے دفتری اور تعلیمی فرنیچر، گیس اور کچن کے آلات وغیرہ بازار سے بارعایت خریدیں

بہار چوک، معصوم شاہ روڈ، ملتان
E-mail: wajidali980@hotmail.com
saleemco1@gmail.com

تحفظ ختم نبوت وآزادی ہند کی تحریکوں میں امیر شریعتؒ کا کردار

منصور اصغر راجہ

جنگ عظیم اول میں ترکی کی شکست کے بعد جب استعماری قوتوں نے خلافتِ عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے شروع کئے تو برصغیر کے مسلمانوں نے خلافت عثمانیہ کے تحفظ کے لئے تحریکِ خلافت کا آغاز کیا جس نے دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ پنجاب میں مولانا داؤد غزنویؒ تحریک خلافت کا پیغام عامۃ الناس تک پہنچانے کے لئے سرگرم عمل تھے ۔اپنی سیاسی سرگرمیوں کے دوران میں انہوں نے محسوس کیا کہ امرتسر شہر کے کوچہ جیل خانہ کی ایک مسجد کا نوجوان خطیب کبھی کبھار ان کی راہ میں حائل ہوتا ہے۔ اگرچہ اس ابھرتے ہوئے خطیب کی گفتگو کا مرکزی موضوع عام طور پر اصلاح عقائد، رد شرک و بدعت اور غیر اسلامی رسوم ورواج کی مخالفت ہوتا تھا لیکن وہ کبھی کبھار مولانا داؤد غزنویؒ کی تقاریر کا رد بھی کرتا۔ نوجوان خطیب اگرچہ ابھی خود بھی طالب علم تھا اور مفتی محمد حسن امرتسریؒ کے حلقہ درس میں تعلیمی مدارج طے کر رہا تھا لیکن اس کی خطابت نے ابھی سے خلقت کو اپنا اسیر بنا رکھا تھا۔ مولانا داؤد غزنویؒ کی جوہر شناس نگاہ نے تاڑ لیا کہ وہ نوجوان خطیب درحقیقت ایک ہیرا ہے جسے ذرا سی تراش خراش کی ضرورت ہے۔ یہی سوچ ایک روز انہیں امرتسر میں ابھرتے ہوئے خطیب صاحب کے دولت کدے پر لے گئی ۔دورانِ ملاقات میں انہوں نے خطیب صاحب کے سامنے خلافتِ عثمانیہ کا مقدمہ اور عالمِ اسلام پر گورے حاکم کی چیرہ دستیوں کی داستان کچھ ایسی دل سوزی سے پیش کی کہ مدمقابل کی سوچ کا دھارا ہی بدل گیا۔ مولانا داؤد غزنویؒ جب کوچہ جیل خانہ کی اس مسجد سے رخصت ہوئے تو وہ نوجوان خطیب تحریک خلافت میں ان کے شانہ بشانہ چلنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اُس زمانے میں برصغیر کے اردو پریس میں خلافت عثمانیہ اور ترک مسلمانوں کا سب سے بڑا ترجمان مولانا ظفر علی خانؒ کا روزنامہ ''زمیندار'' تھا۔ خطیب صاحب نے حالاتِ حاضرہ سے باخبر رہنے کے لئے ''زمیندار'' کا مطالعہ شروع کیا تو گورے حاکم کے خلاف من میں سلگتی چنگاری کو مزید ہوا ملی اور ان کا جذبہ حریت دوآتشہ نہیں بلکہ سہ آتشہ ہو گیا۔ اس طرح مولانا داؤد غزنویؒ کی فکر اور مولانا ظفر علی خانؒ کے ''زمیندار'' نے اس نوجوان خطیب کو امرتسر کی ایک چھوٹی سی مسجد کے حجرے سے اٹھا کر میدانِ سیاست میں لا کھڑا کیا۔ تاریخ اس خطیب کو امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاریؒ کے نام سے جانتی ہے ۔برصغیر پاک و ہند کی تاریخ شاہد ہے کہ امیر شریعتؒ اس خطے کی ایسی عہد ساز شخصیت تھے، جن کی دینی و سیاسی جدوجہد ،قربانیوں اور صلاحیتوں کا اک زمانہ معترف تھا۔ ان کی آتش نوائی نے پشاور سے کلکتہ تک اور سری نگر سے راس کماری تک ہر خاص و عام کو اپنا اسیر بنائے رکھا۔ شورشؒ کے بقول، ''مولانا محمد علی مرحوم نے انہیں ساحر پنجاب کہا، مولانا ابوالکلام آزادؒ نے شعلہ نوا، اقبالؒ نے فقیر بے گلیم اور انور شاہؒ نے ان کی بیعت کی''۔ برصغیر کے عہد ساز اخبار نویس مولانا غلام رسول مہر، امیر شریعتؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ، ''قریباً چالیس سال پیشتر کی بات ہے، ترک موالات یا لاتعاون کی تحریک نے پاک و ہند کی بوقلموں وسعت کے چپے چپے میں وہ کیفیت پیدا کر رکھی تھی کہ طوفانی سمندر کی سطح کو بھی شاید ہی نصیب ہوئی ہو۔ ہر ملت و

قوم کی آبادی کے مختلف طبقات جوش وخروش سے تحریک میں شامل ہورہے تھے۔ میں اخبارنویسی کے میدان میں قدم رکھنے کی تیاریاں کررہا تھا۔ اس وقت پہلی مرتبہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا نام سنا۔ لوگ ان کے بیان وخطابت کی سحر انگیزی اور زور وتاثیر کی ستائش ایسے انداز میں کرتے تھے کہ خیال ہوتا تھا کہ اس میں حقیقت کی جگہ افسانے کا رنگ غالب ہے۔ میں نے 1922ء میں اخبارنویسی شروع کی تو اکثر بڑے بڑے لیڈر اور کارکن قید ہو چکے تھے۔ ان میں خود شاہ صاحب بھی شامل تھے۔ سالکؔ مرحوم 1921ء کے اواخر میں قید ہوئے تھے۔ انہیں بھی میانوالی جیل بھیج دیا گیا تھا۔ وہ نومبر 1922ء میں رہا ہوکر آئے تو ان کے ساتھ اخوت ورفاقت کا وہ پیمان استوار ہوا جو عملاً زندگی بھر کا پیمان بن گیا۔ وہ اکثر اپنے رفیقانِ اسیری کے احوال ووقائع اور لطائف وظرائف سناتے رہتے تھے، مثلاً مولانا احمد سعید مرحوم ناظم جمعیت العلما، صوفی اقبال احمد پانی پتی مرحوم، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا لقاء اللہ عثمانی پانی پتی وغیرہ۔ ہم رفیقوں میں سے جس شخصیت کے ذکر پر مرحوم سالکؔ کے انداز میں محبت و والہیت کی خاص شان پیدا ہوجاتی تھی، وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھے۔ اس طرح میرے دل میں شاہ صاحب کے متعلق محبت و عقیدت کے مخلصانہ جذبات پیدا ہوئے اور اس مشہور شعر کی حقیقت کا عملی تجربہ پہلی مرتبہ ہوا کہ :

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

شاہ صاحب قید کی مدت پوری کر کے رہا ہوئے تو کئی سال تک سیاسی دائرے میں ہم نے اکٹھے کام کیا اور خاصا وقت یکجائی میں گزرتا رہا۔ مجھے وہ اپنے دور کے بہت بڑے انسان نظر آئے کیونکہ وہ بہت بڑے مسلمان تھے۔ اول وآخر، ظاہر وباطن مسلمان تھے، ان کے وجود کی مادیت ومعنویت کا ذرہ ذرہ اسلامیت اور صرف اسلامیت سے سرشار تھا۔ ان کی تمام دوسری خصوصیتیں اسلامیت ہی کے پرتو تھیں، جن کی وجہ سے وہ عمر بھر ہر حلقے میں محبوب وہر دلعزیز رہے۔ وہ میدانِ عمل میں مصروفِ مجاہدات تھے تو لوگ ان کی زیارت کو باعثِ صد سعادت سمجھتے تھے۔ انہوں نے ہزاروں لاکھوں کے مجمعوں کو اپنے دلآویز خطبات سے سراپا عمل وحرکت بنا دیا۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ حریت واسلامیت کے لئے جانبازانہ جہاد میں گزار دیا۔ عمر کا خاصا بڑا اجزو قید وبند میں گزارا۔ جو صلاحیتیں قدرت نے انہیں عطا کی تھیں، وہ سب بے دریغ اسی راہ میں صرف کر دیں۔ اپنی ذات کے لئے کچھ بھی نہ کیا۔ عمر بھر فقر ان کے لئے سرمایہ فخر رہا۔ فقر ہی ان کی سب سے زیادہ قیمتی خاندانی میراث تھا اور آج بھی ان کے فقر کا طرہ آسمان بوس ہے۔ شاہ صاحب کی تمام عمر اس قاہر حکومت سے لڑنے میں بسر ہوئی جس نے ہماری ہر مادی اور معنوی ثروت غصب کر کے اپنی رگوں کے لئے زندگی کا خون مہیا کیا تھا۔ پھر ان کا پورا جہاد صرف آزادی کے لئے نہیں تھا بلکہ اسلامیت وآزادی کے لئے تھا۔ وہ اپنے وطن کو بھی آزاد دیکھنا چاہتے تھے اور یہاں مسلمانوں کو بھی آزادتر، خوددارتر، خوشحال تر اور مخلص تر مسلمان دیکھنے کے آرزومند تھے۔ اپنی عمر انہی مقاصد کے لئے ایسی مصیبتوں اور دلگیریوں میں گزاری جن کا معمولی سا تصور بھی بڑے بڑے مدعیانِ ہمت وجرات کو رعشہ براندام کر دینے کے لئے کافی ہے، مگر کیا کسی خدمت کے لئے کوئی صلہ طلب کیا؟۔۔۔ طلب کرنا تو رہا ایک طرف، کبھی کسی خدمت کا بھولے سے ذکر بھی نہیں کیا۔ خوب سوچو، خوب غور کرو، پھر بتاؤ کہ ہمارے وطن عزیز میں آج ایسی بلند

پایہ شخصیتیں کتنی ہیں؟'' (انہی سے رنگِ گلستاں از مولانا غلام رسول مہر۔ص 480 تا 484)

امیر شریعتؒ کا سیاسی سفر:

یہ ایک بیّن حقیقت ہے کہ میدانِ سیاست میں نام اور جگہ بناتے عمر بیت جاتی ہے لیکن امیر شریعتؒ پر قدرت کچھ اس طرح مہربان تھی کہ تحریک خلافت، تحریک عدم تعاون اور سانحہ جلیانوالہ باغ جیسے ہنگام پرور حالات میں انہوں نے کارزارِ سیاست میں قدم رکھتے ہی مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا آزادؒ اور حضرت مدنیؒ سے پنڈت موتی لال نہرو اور گاندھی جی تک برصغیر کی سیاسی قیادت کا اعتماد حاصل کر لیا جو کہ اس دور میں بلاشبہ غیر معمولی بات تھی۔ دسمبر 1919ء میں گول باغ امرتسر میں مولانا شوکت علیؒ کی زیر صدارت ہونے والی خلافت کانفرنس میں امیر شریعتؒ نے اپنی زندگی کی پہلی سیاسی تقریر کی۔ مولانا محمد علی جوہرؒ جیسے عبقری بھی سٹیج پر رونق افروز تھے۔ انہوں نے امیر شریعتؒ کی تقریر پر نہ صرف داد دی بلکہ اپنے قافلے میں اس نئے کارکن کی شمولیت پر مسرت کا اظہار بھی فرمایا۔ اُن دنوں ہندوستان کے شہر شہر، قریہ قریہ خلافت کمیٹیاں قائم ہو رہی تھیں لیکن لاہور شہر میں قائم کی گئی خلافت کمیٹی گورنر پنجاب سر مائیکل اوڈائر کے خوف سے اگلے ہی روز تحلیل کر دی گئی۔ تحریک خلافت کی قیادت نے اسے اپنے لئے چیلنج خیال کرتے ہوئے لاہور میں خلافت کمیٹی کے قیام کی ذمہ داری امیر شریعتؒ کو سونپ دی۔ امیر شریعتؒ نے تحریک خلافت کے مقامی رہنما حکیم عبدالمجید عتیقیؒ کے ہمراہ لاہور پہنچ کر باغ موچی دروازہ میں دوپہر کے وقت جب پہلی تقریر کی تو ان کے سامنے چند سو لوگ بیٹھے تھے۔ لیکن اسی روز بعد از نماز عشاء وہ جب دوبارہ تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو ان کو سننے کے لئے بیس ہزار کا مجمع اکٹھا ہو چکا تھا۔ امیر شریعتؒ صبح تین بجے تک بولتے رہے۔ انہوں نے فرمایا کہ کون ہے جو کہتا ہے کہ لاہور میں خلافت کمیٹی نہیں بن سکتی۔ میں کہتا ہوں کہ کس مائی کے لال کی ہمت ہے کہ اس کو توڑ کر دکھائے۔ چنانچہ اسی اجلاس میں انہوں نے سید حبیب کی صدارت میں خلافت کمیٹی لاہور قائم کی۔ چندے کی اپیل کی تو گھروں سے خواتین تک نے اپنا زیور اتار کر بھیج دیا۔ بلاشبہ میدانِ سیاست میں امیر شریعتؒ کی یہ پہلی بڑی کامیابی تھی۔

امیر شریعتؒ نے آغازِ سفر ہی میں آزادی وطن کی خاطر کچھ ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کے باعث نہ صرف انگریز سرکار بلکہ اس عہد کی سیاسی قیادت بھی آپ کی طرف متوجہ ہو گئی۔ تحریک ترکِ موالات کے دوران میں آپ نے اپنے آبائی ضلع گجرات میں آزاد ہائی سکول کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا جس کا افتتاح مولانا ابوالکلام آزادؒ نے کیا۔ آپ کی محنت و کوشش سے صرف ایک ضلع گجرات میں 1300 خلافت کمیٹیاں قائم ہوئیں۔ انگریز سرکار کے اشارے پر سوامی شردھانند اور پنڈت مدن موہن مالویہ جیسے متعصب ہندو رہنماؤں نے شدھی و سنگھٹن جیسی فرقہ وارانہ تحریکیں شروع کیں جن کا اصل مقصد برصغیر میں ہندو مسلم فساد کو ہوا دینا تھا۔ دوسری طرف مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑانے کے لئے انگریز سرکار نے والی حجاز سلطان عبدالعزیز بن سعود کے خلاف تحریک قبہ شروع کرا دی۔ اس وقت امیر شریعتؒ وہ واحد سیاسی رہنما تھے جو خم ٹھونک کر میدان میں نکلے اور انگریز سرکار کی ان ناپاک سازشوں کا پردہ چاک کیا۔ 23 ستمبر 1929ء کو ایک ہندو رکن مسٹر ہربلاس شاردا کا پیش کردہ بل منظور کرتے ہوئے مرکزی اسمبلی دہلی نے شاردا ایکٹ بنا دیا جس کے تحت اٹھارہ برس سے کم عمر لڑکی اور اکیس برس سے کم عمر لڑکے کی شادی قانوناً جرم قرار پائی۔ علمائے کرام نے اس نئے قانون کو مداخلت فی الدین قرار دیا۔ چنانچہ جمعیت

علمائے ہند کے طے کردہ نظم کے تحت دوسرے علما کے ساتھ امیر شریعتؒ بھی اس قانون کے خلاف متحرک ہو گئے۔ انہیں پنجاب اور سرحد کی ذمہ داری سونپی گئی، جہاں انہوں نے نہ صرف شب و روز تقاریر کر کے اس قانون کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیئے بلکہ ہزاروں مسلمان بچے بچیوں کے نکاح پڑھا کر اس قانون کو عملی طور پر بھی ناکام بنا دیا۔ امیر شریعتؒ کو قدرت نے بے پناہ سیاسی بصیرت ودیعت فرمائی تھی۔ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید کا فارسی محاورہ ان پر صادق آتا تھا۔ شورشؒ کے بقول ''مجھے شاہ صاحب کی جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا، وہ ان کے ''پولیٹیکل اندازے'' ہیں۔ میں اپنی اس کمزوری کا اعتراف کرتا ہوں کہ ان کے دماغ نے مجھے کبھی قائل نہیں کیا۔ میں نے ان کی باتوں کو ہمیشہ دلائل سے تہی پایا، لیکن جب حالات کا سفر منزل تک پہنچا تو عموماً وہی نتائج سامنے آ گئے جو ان کی دلائل سے تہی باتوں میں تھے۔ معلوم ہوتا ہے، گو یہ بھی ایک جذباتی چیز ہے اور دماغ اس کو تسلیم نہیں کرتا کہ وہ ہواؤں میں نتیجوں کو تاڑ لیتے اور حالات کی دھڑکنوں سے مستقبل کا پتا چلا لیتے ہیں'' (قلم کے چراغ۔ ص 280)۔ 1936ء میں جمعیت علمائے ہند اور مسلم لیگ میں اتحاد قائم ہوا جس پر امیر شریعتؒ نے حضرت مدنیؒ کے سامنے ان الفاظ میں اپنے تحفظات کا اظہار کیا کہ ''حضرت! آپ مسلم لیگ سے اشتراک کئے ہوئے ہیں لیکن آنے والے کل کو آپ اپنے فیصلے پر خود نادم ہونگے۔ مسلم لیگ سے آپ کا اشتراکِ عمل سمجھ نہیں آیا، جبکہ کل تک آپ خود ہمیں درس دیتے رہے ہیں کہ مسلم لیگ سرکار پرستوں کی ٹولی ہے''۔ اس پر حضرت مدنیؒ نے خاصی ناراضی کا اظہار بھی فرمایا لیکن بعد ازاں جب مسلم لیگ کی پارلیمانی پارٹی کے اجلاس میں رجعت پسند عناصر کی شمولیت اور ایکٹ 1935ء کے خلاف تمام سیاسی جماعتوں کی ہڑتال کے موقع پر مسلم لیگ کی عہد شکنی سامنے آئی تو جمعیت علمائے ہند نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس طرح مسلم لیگ کے سلسلے میں امیر شریعتؒ کے تحفظات درست ثابت ہوئے۔

امیر شریعتؒ نے کارزارِ سیاست میں قدم رکھنے کے بعد اپنی زندگی کے جو کلیدی اہداف مقرر کئے، ان کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا غلام رسول مہرؔ لکھتے ہیں کہ ''سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ راہِ حق میں ایثار و فدویت کا وہ ایک نادر پیکر تھے۔ ان کی ہوشمندانہ زندگی کا ایک ایک لمحہ جہاد فی سبیل اللہ میں بسر ہوا۔ میرے علم کے مطابق ان کی زندگی کے دو اہم مقصد تھے۔ اول یہ کہ ان کا وطن اجنبی تسلط کی ہر آلائش سے بالکل پاک ہو جاتا اور سامراج کا وجود مٹ جاتا۔ وہ سامراج کے دشمن تھے مگر برطانوی سامراج کی مخالفت خصوصیت سے ان کی زندگی کا نصب العین بنی رہی، کیونکہ برطانیہ ہی پاک و ہند پر قابض تھا اور برطانیہ ہی کے قبضے میں اسلامی دنیا کے وسیع ترین اور بہترین خطے تھے۔ دوسرا اہم مقصد یہ تھا کہ مسلمان دنیا میں بالعموم اور پاک و ہند میں بالخصوص آزاد تر، خوددار تر اور خوشحال تر زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائیں اور عقیدہ و عمل کے لحاظ سے سچے مسلمان بن جائیں۔ تفصیلات پر گفتگو کرتے ہوئے آپ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں معاملے میں ان کی رائے صحیح نہ تھی اور فلاں معاملے میں ان سے اندازے کی غلطی ہو گئی مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ جن مقصدوں کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کئے رکھی، ان کی سعی و کوششِ جہاد، ایثار یا فداکاری میں کبھی تامل کیا یا کبھی یہ سوچا کہ قدم آگے بڑھایا تو انہیں قید و بند سے سابقہ پڑے گا اور اہل و عیال کے گزارے کی کوئی صورت نہ رہے گی۔ ان مقصدوں کے لئے لڑنا ان کے نزدیک اسلامی زندگی کا ایک گراں بہا فرض تھا اور فرض اس لئے ہوتا ہے کہ اسے بے چون و چرا خوشدلی سے ادا کیا جائے۔ اس لئے نہیں ہوتا

کہ اسے پورا کرنے کے لئے قدم اٹھانے سے پیشتر ذاتی رنج وراحت کا موازنہ کرلیا جائے۔ چنانچہ اسلامیت وآزادی کے ہر معاملے میں انہوں نے اولیت وسبقت کا شرف برابر قائم رکھا۔ پھر یہ معاملہ دو چار دن، دو چار مہینے یا دو چار برس کا نہ تھا، حکومتِ برطانیہ اٹل معلوم ہوتی تھی۔ سید عطاء اللہ شاہ کا عنفوانِ شباب تھا جب انہوں نے اس میدان میں قدم رکھا، اور وہ اسی میدان میں میرے سامنے بوڑھے ہوگئے۔'' (انہی سے رنگِ گلستاں از مولانا غلام رسول مہر۔ ص 491-490)

امیر شریعت کا اعزاز:

1929ء کا اواخر اور 1930ء کا اوائل امیر شریعتؒ کے لئے دو بڑے اعزازات کا سندیسہ لایا۔ 1929ء میں نہرو رپورٹ کی ناکامی کے بعد گاندھی جی اور کانگرس کے طرز سیاست کو مسلمانوں سے ناانصافی قرار دیتے ہوئے کچھ مسلمان رہنماؤں نے اپنی الگ سیاسی جماعت قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ دسمبر 1929ء میں لاہور میں مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تجویز پر چوہدری افضل حقؒ کی صدارت میں ایک اجلاس ہوا جس میں امیر شریعتؒ کے علاوہ مولانا ظفر علی خانؒ، مولانا حبیب الرحمان لدھیانویؒ، شیخ حسام الدینؒ، مولانا مظہر علی اظہرؒ اور کچھ دیگر مسلمان رہنما شریک ہوئے اور مجلس احرار کی بنیاد رکھی جس کا پہلا صدر امیر شریعتؒ کو منتخب کیا گیا۔ چونکہ ہندوستان میں ایک طرف سیاسی ابتری کے باعث امن وامان کی غیر یقینی صورتحال پیدا ہوچکی تھی اور دوسری طرف تحریک شاتم رسول کی وجہ سے مسلمان شدید غم وغصے میں مبتلا تھے۔ اس موقع پر مارچ 1930ء میں انجمن خدام الدین کا لاہور میں سالانہ اجلاس ہوا جس کی صدارت دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا انور شاہ کاشمیریؒ نے فرمائی۔ علماء کے اس تاریخی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا انور شاہ کاشمیریؒ نے فرمایا کہ ''دین کی قدریں بگڑ رہی ہیں۔ کفر چاروں طرف سے یلغار کرچکا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو اپنے لئے ایک امیر کا انتخاب کرنا چاہئے۔ اس کے لئے میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو منتخب کرتا ہوں۔ وہ نیک بھی ہیں اور بہادر بھی۔ اس وقت تک انہوں نے فتنہ شاتم رسول اور شاردا ایکٹ کے سلسلے میں جس جرات اور دلیری سے دین کی خدمات انجام دی ہیں، آئندہ بھی ان سے ایسی ہی توقع ہے''۔ یہ کہہ کر بیعت کے لئے مولانا انور شاہ کاشمیریؒ نے دونوں ہاتھ امیر شریعتؒ کی طرف بڑھائے تو انہوں نے زاروقطار روتے ہوئے یہ کہہ کر اپنے ہاتھ مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کے ہاتھوں میں دے دیئے کہ ''آپ یہ نہ سمجھیں کہ حضرت نے میرے ہاتھ پر بیعت کی بلکہ حضرت نے مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمالیا ہے''۔ اس موقع پر مولانا ظفر علی خانؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ اور مولانا حبیب الرحمان لدھیانویؒ سمیت پانچ صد علماء نے امیر شریعتؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مجلس احرار کی صدارت اور امیر شریعت کا خطاب اکابر کی طرف سے امیر شریعتؒ کی قائدانہ صلاحیتوں اور دینی وسیاسی خدمات کا بلاشبہ واضح اعتراف تھا۔

ختم نبوت زندہ باد:

ختم نبوت کے قزاقوں کا تعاقب امیر شریعتؒ کی زندگی کی اولین ترجیح تھی جس پر وہ عمر بھر کوئی سمجھوتہ کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ وہ تحفظ ختم نبوت کی خدمت کو اپنے لئے توشہ آخرت خیال کرتے تھے۔ سیاسی میدان میں مصروفِ عمل ہونے کے باوجود گستاخانِ رسالت کے تعاقب کے لئے وہ ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ وہ دجال قادیان ہو، تحریک شاتم رسول ہو یا فتنہ راجپال، امیر شریعتؒ کی شمشیر گفتار سارقینِ ختم نبوت پر برق بن کر گرتی تھی۔ اس سلسلے میں وہ حدِ سود وزیاں سے بالا ہوکر خود کو ہر قربانی کے

لئے ہر وقت تیار رکھتے تھے۔ 1934ء میں قادیان میں ہونے والی تاریخی احرار تبلیغ کانفرنس میں تقریر کرنے کی پاداش میں امیر شریعتؒ کے خلاف ہونے والے مقدمے کی سماعت ابھی گورداسپور کی ماتحت عدالت میں جاری تھی کہ انہوں نے 24 اپریل 1935ء کو مسجد خیر الدین امرتسر میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''قادیان کانفرنس کے خطبے کی بناء پر جس دفعہ 153 کے تحت مجھے گرفتار کیا گیا ہے، اس کی سزا زیادہ سے زیادہ دو سال ہے۔ میرا جرم یہ ہے کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کا خادم ہوں۔ اس جرم میں یہ سزا بالکل کم ہے۔ میں خاتم الانبیا ﷺ کے ناموس پر ایسی ہزاروں جانیں قربان کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے شیروں اور چیتوں سے ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا جائے اور پھر کہا جائے کہ تمہیں بجرم عشق محمد ﷺ تکلیف دی جا رہی ہے تو میں خندہ پیشانی سے اس سزا کو قبول کروں گا۔ میرا آٹھ سالہ بچہ عطاء المنعم اور اس جیسے، خدا کی قسم، ہزار بچے رسول اللہ ﷺ کی حرمت پر سے نچھاور کر دوں''۔ (حیات امیر شریعت۔ ص 183) فتنہ قادیان کی سرکوبی کے سلسلے میں وہ کسی لاگ لپیٹ کے قائل نہ تھے۔ یہ فریضہ وہ ہر خوف و جھجھک سے بالاتر ہو کر انجام دیتے تھے۔ 1942ء کے تاریخی مقدمہ بغاوت کی لاہور ہائی کورٹ میں سماعت جاری تھی۔ کچھ ہی دیر تک جج صاحبان فیصلہ سنانے والے تھے۔ امیر شریعتؒ کو سزائے موت بھی ہو سکتی تھی اور کالے پانی بھی بھیجا جا سکتا تھا۔ ایسے نازک موقع پر جب چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ سر ڈگلس ینگ نے براہ راست سوال کیا کہ کیا آپ نے اپنی تقریر میں مرزا غلام احمد کو کافر کہا تھا؟۔۔۔ تو امیر شریعتؒ نے لمحہ بھر کی تاخیر کئے بغیر جواب دیا کہ ''جناب! میں نے ہزاروں مرتبہ مرزا غلام احمد کو کافر کہا، کہتا ہوں اور کہتا رہوں گا۔ یہ میرا مذہب ہے۔'' (حیات امیر شریعت۔ ص 263) تحفظ ختم نبوت کی خاطر قربانی کے جذبے کا یہ عالم تھا کہ 1953ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران جب امیر شریعتؒ سکھر جیل میں قید تھے تو انہی ایام میں ایک شب پولیس نے ملتان میں ان کے گھر پر چھاپہ مارا۔ گھر میں صرف ان کی اہلیہ اور صاحبزادی تھیں۔ اس موقع پر ایک پولیس افسر نے ماں بیٹی سے خاصی بدتمیزی بھی کی۔ رہائی کے بعد جب امیر شریعتؒ گھر پہنچے تو ایک روز ان کے بڑے صاحبزادے سید ابوذر بخاریؒ نے پولیس کی اس بدتمیزی پر غصے کا اظہار کیا تو انہوں نے فرمایا، ''میاں صاحبزادے! کیا تمہیں صرف اس بات پر غصہ ہے کہ پولیس نے تمہاری ماں اور بہن کو گالیاں دیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر پولیس والے ان دونوں ماں بیٹی کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے گلی میں لے جاتے تو شاید تحفظ ختم نبوت کا کچھ تھوڑا سا حق ادا ہو جاتا''۔ (بحوالہ سیّدی وابی از بنتِ امیر شریعت سیدہ ام کفیل بخاریؒ۔ ص 254) امیر شریعتؒ صرف اپنی ذات کی حد تک ہی تحفظ ختم نبوت کے لئے سرگرم عمل نہیں رہے بلکہ انہوں نے بلا مبالغہ لاکھوں دلوں میں عشق رسول کی شمع روشن کی اور اپنے نانا کی عفت و ناموس کے تحفظ کا جذبہ بیدار کیا۔ شورشؔ کے بقول، ''راجپال کا فتنہ بھی اسی زمانے میں جاگا۔ بخاری کی شمشیر گفتار جو ہمیشہ نیام سے ناآشنا رہی ہے۔ ذوالفقار کی طرح بے خوف ہو گئی۔ پنجاب کے طول و عرض میں کہرام مچ گیا۔ جب بخاری نے کہا کہ ''مسلمانو! میرے چہرے کی طرف کیا دیکھتے ہو۔ وہ دیکھو تمہارے دروازے پر آج میری ماں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ فریاد بلب کھڑی ہیں کہ میرے شوہر اور تاجدار کائنات کی عزت کے محافظ کس کنج غفلت میں سو گئے ہیں''۔ تو وہ دل بھی جنہیں معصیتوں نے چاٹ لیا تھا، حمیت کا آتشکدہ بن گئے۔ میکدوں میں آگ لگ گئی، حجروں میں شعلے بھڑکے، بادہ خواروں اور مصلّے بدوشوں میں سبقت لے جانے کے سوال پر ٹھن گئی'' (بحوالہ قلم کے چراغ۔ ص 283)۔ تاریخی حقائق کے مطابق برصغیر میں شروع ہونے والی تحریک شاتم رسول سراسر مرزا غلام قادیانی اور اس کے

چیلوں کی شرارت کا نتیجہ تھی۔ ''ستیارتھ پرکاش'' نامی کتاب کے مصنف پنڈت دیانند سرسوتی کی موت کے بعد مرزا غلام قادیانی نے 1884ء میں شائع ہونے والی ''براہین احمدیہ'' کی چوتھی جلد میں آنجہانی پنڈت کو خوب تنقید کا نشانہ بنایا جس کے جواب میں اگلے ہی سال ''ستیارتھ پرکاش'' کے دوسرے ایڈیشن میں دو نئے ابواب شامل کر ذاتِ رسالتِ مآب پر براہِ راست رکیک حملے کیے گئے۔ اسی اثنا میں قاسم علی مرزائی نے پنڈت دیانند کے خلاف ''انیسویں صدی کا مہارشی دیانند'' لکھی جس کے جواب میں ڈی اے وی کالج لاہور کے پروفیسر چمپاوتی کی وہ رسوائے زمانہ کتاب منظر پر آئی جس کا پبلشر راجپال تھا۔ تحریک شاتم رسول نے ملک کی فضا مسموم کر دی۔ مسلمانوں کے دل بُری طرح زخمی ہوئے۔ دوسری طرف انگریز سرکار کا قانون بھی گستاخانِ رسالت کی پشت پناہی کرنے لگا۔ ملک میں جہاں کہیں کسی شاتم رسول کے خلاف کوئی مضطرب مسلمان ردعمل ظاہر کرتا تو انگریزی قانون اس کے خلاف حرکت میں آجاتا۔ اس موقع پر بھی امیر شریعتؒ آگے بڑھے اور گستاخانِ رسالت کی سرکوبی اور توہین رسالت کا انتقام لینے پر مسلمانوں کو آمادہ کرنے کے لئے پنجاب کا دورہ شروع کیا اور دہلی، لدھیانہ، امرتسر اور لاہور کے اضلاع میں مسلمانوں کو ایک ہی پیغام دیا کہ ''عزیز نوجوانو! تمہارے دامن کے سارے داغ صاف ہونے کا وقت آپہنچا ہے۔ گنبد خضرا کے مکین تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں۔ ان کی آبرو خطرے میں ہے۔ ان کی عزت پر کتے بھونک رہے ہیں۔ اگر قیامت کے دن محمد ﷺ کی شفاعت کے طالب ہو تو پھر نبی کی توہین کرنے والی زبان نہ رہے یا سننے والے کان نہ رہیں'' (حیات امیر شریعت۔ ص 115)۔ امیر شریعتؒ کی اس تحریک سے متاثر ہو کر ہی غازی علم الدینؒ نے 6 اپریل 1929ء کو لاہور میں راجپال کو قتل کیا جس کے بعد گستاخیوں کا یہ سلسلہ تھم گیا۔

تحفظ ختم نبوت کے لئے امیر شریعتؒ صرف تقاریر ہی نہیں کرتے تھے بلکہ جہاں کہیں فتنہ قادیان کے خلاف عملی میدان میں نکلنے کا موقع آتا تو وہاں بھی وہ سب سے آگے نظر آتے۔ سر ظفر اللہ خاں جب وائسرے ہند کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن منتخب ہوئے تو 1935ء میں مجلس احرار کے ایک وفد نے دہلی میں وائسرے ہند سے ملاقات کے دوران میں اس بابت اپنا احتجاج ریکارڈ کرایا تو وائسرئے ہند نے جواباً کہا کہ ''سر ظفر اللہ خان مسلمانوں کے ووٹوں سے منتخب ہو کر آتا ہے'' چنانچہ 1936ء کے انتخابات میں امیر شریعتؒ اور ان کی جماعت نے سر ظفر اللہ کی ڈسکہ کی آبائی نشست پر انہیں ٹف ٹائم دینے کا فیصلہ کر لیا جہاں اس بار ان کے بھائی چوہدری اسد اللہ خان ایڈووکیٹ الیکشن لڑ رہے تھے۔ چونکہ سر ظفر اللہ کے گھرانے کو علاقے کی جاٹ برادری کی حمایت اور انگریز سرکار کی پشت پناہی بھی حاصل تھی، اس لئے علاقے کا کوئی بھی سرکردہ شخص ان کے مقابلے میں الیکشن لڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا تھا۔ امیر شریعتؒ نے اپنی تمام تر توجہ اس حلقے پر مرکوز کرتے ہوئے علاقے کے ایک معزز، بارسوخ اور معاشی طور پر مضبوط جاٹ چوہدری غلام رسول ستراہ کو چوہدری اسد اللہ کے مقابلے میں مجلس احرار کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنے کے لئے تیار کیا۔ الیکشن سے ایک ماہ قبل امیر شریعتؒ نے ڈسکہ میں مجلس احرار کے امیدوار کی انتخابی مہم کا آغاز کیا اور گھر گھر جا کر جاٹ برادری کو ناموس پیغمبر ﷺ کی خاطر مجلس احرار کے امیدوار کو ووٹ دینے کی اپیل کی۔ چنانچہ امیر شریعتؒ کی محنت رائیگاں نہ گئی اور چوہدری اسد اللہ کے مقابلے میں چوہدری غلام رسول ہزاروں ووٹوں سے جیت گئے۔ اس انتخابی شکست کے ساتھ ہی ڈسکہ میں سر ظفر اللہ فیملی کا رعب، دبدبہ اور وقار بھی خاک میں مل گیا۔

قیام پاکستان کے بعد امیر شریعتؒ نے اپنی تمام تر توانائیاں تحفظ ختم نبوت اور فتنہ قادیان کی سرکوبی کے لئے وقف کر دیں۔ان کی ایمانی غیرت حضورﷺ کی ختم المرسلینی پر ایک لمحے کے لئے بھی آنچ گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ستمبر 1951ء میں کراچی میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ،''تصویر کا ایک رخ تو یہ ہے کہ مرزا غلام قادیانی میں یہ کمزوریاں اور عیوب تھے۔اس کے نقوش میں توازن نہ تھا۔قد وقامت میں تناسب نہ تھا۔اخلاق کا جنازہ تھا۔کریکٹر کی موت تھی۔سچ کبھی نہ بولتا تھا۔معاملات کا درست نہ تھا۔بات کا پکا نہ تھا۔بزدل اور ٹوڈی تھا۔تقریر وتحریر ایسی ہے کہ پڑھ کر متلی ہونے لگتی ہے۔لیکن میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ اگر اس میں کوئی کمزوری بھی نہ ہوتی۔وہ مجسمہ حسن و جمال ہوتا۔قویٰ میں تناسب ہوتا۔چھاتی 45 انچ کی، کمر ایسی کہ سی آئی ڈی کو بھی پتا نہ چلتا، بہادر بھی ہوتا، مردِ میدان ہوتا۔کریکٹر کا آفتاب اور خاندان کا مہتاب ہوتا۔شاعر ہوتا، فردوسیِ وقت ہوتا، ابوالفضل اس کا پانی بھرتا، خیام اس کی چاکری کرتا، غالب اس کا وظیفہ خوار ہوتا، انگریزی کا شیکسپیئر ہوتا اور اردو کا ابوالکلام ہوتا، پھر نبوت کا دعویٰ کرتا تو کیا اسے نبی مان لیتے؟۔میں تو کہتا ہوں کہ اگر سیدنا علیؓ دعویٰ کرتے کہ جسے تلوار حق نے دی اور بیٹی نبی نے دی۔سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا فاروق اعظمؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ بھی دعویٰ کرتے تو کیا بخاری انہیں نبی مان لیتا؟۔نہیں اور ہرگز نہیں۔۔۔میاںﷺ کے بعد کائنات میں کوئی انسان ایسا نہیں جو تختِ نبوت پر سج سکے اور تاجِ امامت و رسالت جس کے سر پر ناز کرے''۔امیر شریعتؒ صرف گفتار ہی نہیں بلکہ کردار کے بھی غازی تھے۔انہوں نے صرف تقریریں کر کے لوگوں کو تحفظ ختم نبوت کے لئے نہیں ابھارا بلکہ اس راہ میں خود قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے کے علاوہ دوسروں کی قربانیوں کی ذمہ داری بھی قبول کی۔اس بابت انہیں کوئی ابہام نہیں تھا بلکہ پوری طرح شرحِ صدر تھا کہ اس راہ میں چبھنے والا کانٹا بھی رائیگاں نہیں جائے گا۔تحریک ختم نبوت 1953ء کے موقع پر مختلف شہروں میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ،''جہاں کہیں کوئی شخص اس تحریک میں شہید ہوا ہے، اِس جہان میں اور آخرت میں اس کا ذمہ دار میں ہوں۔اے اللہ! میں ذمہ دار ہوں۔میں نے لوگوں کو ابھارا ہے کہ وہ ناموسِ رسالت پر جانیں قربان کر دیں''۔(سیّدی وابی۔ص92)

احرار تبلیغ کانفرنس قادیان:

جنگ عظیم اول کے دوران میں مرزا بشیر الدین محمود نے اپنے دادا مرزا غلام مرتضیٰ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے نا صرف انگریز سرکار کے لئے فوجی بھرتی کی حوصلہ افزائی کی بلکہ ان کے حکم پر قادیانی مبلغین جنگ زدہ علاقوں میں برطانیہ کے جاسوسی کے فرائض بھی انجام دیتے رہے، جس کے نتیجے میں قادیانی جماعت پر فرنگی سامراج کی نوازشات مزید بڑھ گئیں۔مرزا محمود نے سرکار کی طرف سے ملنے والی اس چھوٹ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قادیان میں ریاست کے اندر ریاست قائم کر دی جہاں مرزا محمود کی اجازت کے بغیر پرندہ پَر نہیں مار سکتا تھا۔امیر شریعتؒ اور ان کے ساتھیوں کا یہ خیال تھا کہ مجلس احرار اپنے مرکزی شعبہ تبلیغ کو مضبوط کرنے کے علاوہ قادیان میں اراضی خرید کر وہاں اپنا ہائی سکول، تبلیغی کالج، مسجد اور مہمان خانہ تعمیر کرے۔جس روز یہ کام ہو گیا، اس روز مرزائیت کی ماں مر جائے گی۔اکتوبر 1934ء میں قادیان میں ہونے والی احرار تبلیغ کانفرنس اسی سلسلے کی کڑی تھی۔،کانفرنس میں رد مرزائیت کے موضوع پر امیر شریعتؒ کا کلیدی خطاب اور اس کی پاداش میں ان کے خلاف مقدمے کا اندراج درحقیقت فتنہ قادیان پر ایسا تازیانہ ثابت ہوا جس نے پہلی بار قادیانیوں کے مکروہ چہرے سے نقاب نوچ کر

دنیا کو دکھایا کہ قادیان میں مرزا قادیانی کی ذریت نے جعلی نبوت کے پردے میں دجل وفریب، تشدد اور دہشت گردی کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ قادیانیوں کے چہرے سے نقاب نوچنے والا کوئی مولوی نہیں بلکہ سیشن جج گورداسپور مسٹر جی ڈی کھوسلہ تھے۔ احرار تبلیغ کانفرنس میں تقریر کرنے پر امیر شریعتؒ کو 153 الف کے تحت 7 دسمبر 1934ء کو مسوری سے گرفتار کیا گیا اور اگلے روز ضمانت پر رہائی ملی۔ یہ مقدمہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور دیوان سکھا نند کی عدالت میں چلا جنہوں نے 20 اپریل 1935ء کو فیصلہ دیتے ہوئے قادیانیوں اور مسلمانوں میں نفرت پیدا کرنے کے الزام میں امیر شریعتؒ کو چھ ماہ قید کی سزا سنادی۔ مجلس احرار نے سزا کے خلاف سیشن کورٹ گورداسپور میں اپیل دائر کر دی۔ سیشن جج مسٹر جی ڈی کھوسلہ نے اپنے فیصلے میں قادیان میں مرزائی رائل فیملی کی بدمعاشیوں، جبر وتشدد، قتل وغارت اور مخالفین کے گھروں کو آگ لگوانے تک کے واقعات کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے ماتحت عدالت کے فیصلے کو کالعدم قرار دیتے ہوئے امیر شریعتؒ کو عدالت برخواست ہونے کے بعد رہا کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ سیشن جج گورداسپور کا یہ فیصلہ درحقیقت مرزائیت کے چہرے پر ایک زوردار طمانچہ تھا۔ مفکر احرار چوہدری افضل حقؒ کے بقول، ''اگرچہ ابتدائی عدالت نے سید عطاء اللہ شاہ صاحب کو چھ ماہ کی سزا دے دی، جس پر مرزائیوں کے گھروں میں گھی کے چراغ جلائے گئے۔ لیکن سیشن جج مسٹر کھوسلہ نے مرزائیوں کی خوشیوں کو اپنے فیصلہ اپیل میں ماتم سے بدل دیا۔ اس نے وہ تاریخی فیصلہ لکھا جس سے اسے شہرتِ دوام حاصل ہوگئی۔ اس فیصلہ کا ہر حرف مرزائیت کی رگِ جان کے لئے نشتر ہے۔ اس فیصلہ میں مسٹر کھوسلہ نے چند سطروں میں مرزائیت کی ساری اخلاقی تاریخ لکھ دی۔ اس کے فیصلے کا ہر لفظ دریائے معانی ہے۔ اس کی ہر سطر مرزائیت کی سیاہ کاریوں اور ریاکاریوں کی پوری تفسیر ہے۔ مسٹر کھوسلہ کے قلم کی سیاہی مرزائیت کے لئے قدرت کا انتقام بن کر کاغذ پر پھیلی اور مرزائیت کے چہرے پر نہ مٹنے والے داغ چھوڑ گئی۔ ہر چند انہوں نے ہائی کورٹ میں سر سپروجیسے مقنن کی معرفت چارہ جوئی کی تاکہ مسٹر کھوسلہ کے فیصلے کا داغ دھویا جائے مگر انہیں اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ مرزائی آج تک یہی سمجھتے تھے کہ قدرت ظلم ناروا کا انتقام لینے سے قاصر ہے مگر اس فیصلہ نے ثابت کر دیا کہ خدا کے حضور میں دیر ہے اندھیر نہیں۔ اس فیصلہ کو تاریخ احرار میں خاص اہمیت حاصل رہے گی۔ دراصل یہ فیصلہ مرزائیت کی موت ثابت ہوا۔ جس غیر جانبدار نے اس کو پڑھا، وہ مرزائیت کے نقش ونگار کو دیکھ کر اس سے نفرت کرنے لگا''۔ (ہم نے قادیان میں کیا دیکھا؟ (جلد اول) از محمد طاہر عبدالرزاق۔ ص 121-120)

فرنگی حاکم نامنظور:

آغا شورش کاشمیریؒ کے بقول، ''امیر شریعتؒ نے تمام زندگی میں صرف دو گروہوں سے دشمنی کی ہے، ایک انگریز، دوسرے قادیانی۔ اول الذکر کو وہ ابلیس کا جانشین خیال کرتے اور ثانی الذکر کو اول الذکر کا خود کاشتہ پودا۔ (قلم کے چراغ۔ ص 278) یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ برصغیر میں فرنگی سامراج کے قبضے کو مضبوط کرنے کے لئے جہاں مقامی زمینداروں، جاگیرداروں، ذیل داروں اور نمبرداروں نے اپنی غیرت گورے حاکم کے پاس گروی رکھ دی تھی، اسی طرح کئی مذہبی گدّیوں کے سجادہ نشین بھی انگریز سرکار کے قدموں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ خیال کرتے تھے۔ سانحہ جلیانوالہ باغ کے اصل ذمہ دار گورنر پنجاب سر مائیکل اوڈائر کی اپنے وطن واپسی کے موقع پر پنجاب کے سجادہ نشینوں کی طرف سے اس کی خدمت میں پیش

کیا گیا سپاسنامہ اس کا واضح ثبوت ہے۔اس سپاسنامے کا ایک ایک لفظ بے حمیتی ،خوشامد اور کاسہ لیسی کا مظہر ہے جس میں سلطنت برطانیہ کو ہندوستان کے لئے ابرِ رحمت قرار دیا گیا، پنجاب میں لگائے گئے مارشل لاء کو ہندوستانی فتنہ پردازوں کی شرارت کا نتیجہ کہا گیا،شاہی مسجد لاہور کو انگریز سرکار کے خلاف سیاسی امور کے لئے استعمال کرنے پر اہالیان لاہور کو کوسا گیا ،انگریز سرکار کے خلاف ڈٹ جانے پر والی افغانستان امیر امان اللہ کو ملاحیاں سنائی گئیں ،ترک مسلمانوں کے خلاف کف اُڑائی گئی اور مائیکل اوڈائر اور اس کی میم صاحب کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے گئے۔اس کے ساتھ ہی ان قبر فروش سجادہ نشینوں نے ہندوستان میں فرنگی حاکم کے خلاف سیاسی جدوجہد کرنے والوں کو ملک کے کوتاہ اندیش دشمن کہتے ہوئے مائیکل اوڈائر کی خدمت میں یہ درخواست بھی پیش کی کہ ''ہم حضور سے درخواست کرتے ہیں کہ جب حضور وطن کو تشریف لے جائیں تو اس نامور تاجدارِ ہندوستان کو یقین دلائیں کہ چاہے کیسا ہی انقلاب کیوں نہ ہو، ہماری وفاداری میں سرِ مُو فرق نہ آیا ہے اور نہ آسکتا ہے۔اور ہمیں یقین ہے کہ ہم اور ہمارے پیروان اور مریدان فوجی وغیرہ جن پر سرکاری برطانیہ کے بے شمار احسانات ہیں، ہمیشہ سرکار کے حلقہ بگوش اور جانثار رہیں گے'' (حیاتِ امیر شریعت۔ص92)۔

یہ سپاسنامہ جب امیر شریعتؒ کی نظر سے گزرا تو انہیں بے حد صدمہ پہنچا۔چنانچہ انہوں نے ملتان کے باغ لہنگے خاں میں مسلسل تین روز تک پنجاب کے ان سجادہ نشینوں کے خلاف خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اے پیرانِ طریقت! یہ سپاسنامہ فرنگی کے حضور پیش کر کے آپ نے اپنے آباء واجداد کی تعلیم ،ان کے اصول،ان کی روحانی زندگی پر وہ کالک مل دی ہے کہ قیامت تک یہ داغ نہیں دھویا جا سکتا اور نہ یہ سیاہی مٹ سکتی ہے۔اگر میں ابنِ سعود کی حمایت کروں تو کافر اور تم ترکوں کے قتل پر دستخط کرو تو مومن۔تم فتح بغداد پر چراغاں کرو تو مسلمان اور میں فرنگی سے آزادی کے لئے لڑوں تو مجرم ۔تمہارے تعویز ،تمہاری دعائیں کافر کی فتح کی آرزومند رہیں اور میں سلطنت برطانیہ کی بنیاد اکھاڑنے کے درپے رہا۔تم نے انسانوں سے زیادہ کتے اور سوروں کی قدر کی اور گناہ کو ثواب کا درجہ دیا۔تمہاری قبائیں خونِ مسلم سے داغدار ہیں۔اے دُم بریدہ سگانِ برطانیہ! صورِ اسرافیل کا انتظار کرو کہ تمہاری فردِ جرم تمہارے سامنے لائی جائے اور تم اپنے نامہ اعمال کو ندامت کے آئینے میں دیکھ سکو'' (حیات امیر شریعت۔ص 95,96)۔واضح رہے کہ امیر شریعتؒ صرف فرنگی سامراج ہی نہیں بلکہ اس کے دیسی گماشتوں سے بھی شدید نفرت کرتے تھے۔مائیکل اوڈائر کو سپاسنامہ پیش کرنے والوں میں امیر شریعتؒ کے مرشد اول حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے صاحبزادے بابو جی غلام محی الدین بھی شامل تھے لیکن امیر شریعتؒ نے اس کی قطعاً پروانہ کرتے ہوئے انگریز سرکار کے کاسہ لیس سجادہ نشینوں کو کھری کھری سنائیں۔

1930ء میں ستیہ گرہ تحریک کے دوران گاندھی جی کی گرفتاری کے بعد کانگرس نے فرنگی حاکم کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک کا آغاز کیا تو پنجاب میں نہ صرف امیر شریعتؒ کو سول نافرمانی کی تحریک شروع کرنے کا اعزاز حاصل ہوا بلکہ آپ نے جمعیت علمائے ہند کو بھی اس تحریک کا حصہ بننے پر آمادہ کیا۔آپ چھ ماہ تک سول نافرمانی کی تحریک کی کامیابی کے لئے انٹیلی جنس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر امرتسر اور لدھیانہ سے امروہہ،آگرہ ،بمبئی اور کلکتہ تک جلسوں سے خطاب کرتے رہے اور پولیس وارنٹ گرفتاری لئے آپ کے پیچھے پیچھے بھاگتی رہی۔اسی دوران میں گھر پر آپ کی ڈیڑھ سالہ بیٹی سیدہ ام کلثوم انتقال کر گئی لیکن

اس مردِ قلندر کے پائے استقامت میں لغزش آئی نہ زبان پر حرفِ شکایت ۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران میں فوجی بھرتی کے خلاف چلائی گئی مجلس احرار کی تحریک بھی انگریز سرکار کے خلاف نفرت کا واضح اظہار تھا۔اس تحریک کے دوران میں امیر شریعتؒ اور ان کے ساتھیوں نے پنجاب کے فوجی بھرتی والے اضلاع خصوصاً اٹک اور میانوالی میں دن رات تقریریں کر کے عوام میں شعور بیدار کرنے کی سعی کی جس کی پاداش میں انہیں مقدمہ بغاوت کا سامنا کرنا پڑا۔ برطانوی سامراج سے امیر شریعتؒ کی نفرت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے 23 مارچ 1939ء کو لاہور میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''میں ان سوروں کا ریوڑ چرانے کو بھی تیار ہوں جو برٹش امپریلزم کی کھیتی کو ویران کرنا چاہیں۔ میں کچھ نہیں چاہتا، ایک فقیر ہوں، اپنے نانا کی سنت پر مرمٹنا چاہتا ہوں اور کچھ چاہتا ہوں تو صرف اس ملک سے انگریز کا انخلا۔ دو ہی خواہشیں ہیں کہ میری زندگی میں یہ ملک آزاد ہو جائے یا پھر میں تختہ دار پر لٹکا دیا جاؤں۔ میں ان علمائے حق کا پرچم لیے پھرتا ہوں جو 1857ء میں فرنگیوں کی تیغِ بے نیام کا شکار ہوئے تھے۔ ربِ ذوالجلال کی قسم مجھے اس کی کچھ پروا نہیں کہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ لوگوں نے پہلے ہی کب کسی سرفروش کے بارے میں راست بازی سے سوچا ہے۔ وہ شروع سے تماشائی ہیں اور تماشا دیکھنے کے عادی۔ میں اس سرزمین پر مجددِ الف ثانیؒ کا سپاہی ہوں، شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان کا متبع ہوں، سید احمد شہیدؒ کی غیرت کا نام لیوا اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی جرات کا پانی دیوا ہوں، میں ان پانچ مقدمہ ہائے سازش کے پابہ زنجیر صلحائے امت کے لشکر کا ایک خدمت گزار ہوں جنہیں حق کی پاداش میں عمر قید اور موت کی سزائیں دی گئیں۔ ہاں ہاں! میں انہی کی نشانی ہوں۔ انہی کی صدائے بازگشت ہوں۔ میری رگوں میں خون نہیں آگ دوڑتی ہے۔ میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ میں محمد قاسم نانوتویؒ کا علم لے کر نکلا ہوں۔ میں نے شیخ الہند محمود حسنؒ کے نقشِ قدم پر چلنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ میں زندگی بھر اسی راہ پر چلتا رہا ہوں اور چلتا رہوں گا۔۔۔ میرا اس کے سوا کوئی موقف نہیں۔ میرا ایک ہی نصب العین ہے اور وہ برطانوی سامراج کی لاش کو کفنانا یا دفنانا''۔ (ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور، سالنامہ جنوری 1962ء)۔

پسِ دیوارِ زنداں:

امیر شریعتؒ کا یہ ایمان و عقیدہ تھا کہ جب حق کے لئے آواز بلند کی جائے تو پھر مصائب و تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تحریک تحفظ ختم نبوت اور تحریک آزادی ہند کے دوران راہ میں آنے والی ہر تکلیف اور مصیبت کو انہوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ نظر بندی اور گرفتاری کبھی بھی ان کے حوصلے پست نہ کر سکی۔ ہتھکڑیاں اور جیلیں دیکھ کر کبھی بھی ان کی پیشانی عرق آلود نہیں ہوئی۔ وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ فرنگی سامراج سے آزادی اور فتنہ قادیان کی سرکوبی کی جدوجہد میں میری آدھی زندگی ریل میں گزر گئی اور آدھی جیل میں۔ ایک موقع پر اپنے صاحبزادے سید عطاء المنعم بخاری کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اللہ کے دین کے کام میں سختیاں اور امتحانات نہ آئیں، اور مار نہ پڑے، یہ ہو نہیں سکتا۔ دین کا کام کرو گے تو مار بھی پڑے گی۔ اس کے لئے اپنے آپ کو ہر وقت تیار رکھو۔'' (سیّدی وابی۔ ص 254) امیر شریعت کے دورِ اسارت کی بابت جانباز مرزاؒ نے ''حیات امیر شریعت'' میں جو تفصیل بیان کی ہے، اس کے مطابق تحریک ترک موالات کے دوران قابض انگریز سرکار کے خلاف تقاریر کرنے پر حکومت نے امیر شریعتؒ کو پہلی بار 27 مارچ 1921ء کو امرتسر سے دفعہ 124 الف کے تحت گرفتار کیا۔ 8 اپریل 1921ء کو ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرتسر ایف اے کانر نے آپ کو اس مقدمے میں تین سال قید بامشقت کی سزا سنا دی جس

میں تین ماہ کی قیدِ تنہائی بھی شامل تھی۔امیر شریعتؒ کی عمر اس وقت تیس برس تھی اور یہ ان کی زندگی کی پہلی گرفتاری اور سزا تھی ۔شدھی تحریک کے پردے میں چھپی انگریز سرکار کی سازش کو بے نقاب کرنے پر حکومت نے دہلی کی ایک تقریر کو بنیاد بنا کر جنوری 1925ء میں امیر شریعتؒ کو دفعہ 108 کے تحت گرفتار کرلیا۔اس کیس میں انہیں چھ ماہ قید بامشقت یا پانچ صد روپے جرمانے کی سزا سنائی گئی۔چنانچہ ان کے چاہنے والوں نے جرمانہ ادا کر دیا۔تحریک شاتم رسول کے دوران متحرک ہونے پر ڈپٹی کمشنر لاہور مسٹر اوگلوی کے ایما پر 10 جولائی 1927ء کو لاہور سے امیر شریعتؒ کو گرفتار کر کے ان پر دفعہ 108 کے تحت مقدمہ چلایا گیا جس کے نتیجے میں انہیں ایک سال قیدِ بامشقت کی سزا سنائی گئی۔انگریز سرکار کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک کے دوران میں امیر شریعتؒ پنجاب سے بنگال تک چھلاوہ بنے چھ ماہ تک پولیس کی آنکھوں میں دھول جھونکتے رہے۔ان کی تقاریر پر صرف پنجاب اور یوپی کے مختلف اضلاع سے 20 وارنٹ گرفتاری جاری کئے گئے۔بالآخر 30 اگست 1930ء کو انہیں بنگال کے علاقے دیناج پور سے گرفتار کیا گیا۔بنتِ امیر شریعتؒ کے مطابق یہ گرفتاری کسی مسلمان مخبر کی مخبری کے نتیجے میں ہوئی تھی۔اس مقدمے میں انہیں چھ ماہ قید بامشقت کی سزا ہوئی۔تحریکِ کشمیر کے دوران میں امیر شریعتؒ کو 15 اکتوبر 1931ء کو دہلی میں دفعہ 124 الف کے تحت گرفتار کیا گیا۔اس مقدمے میں انہیں ڈیڑھ سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔1934ء میں احرار تبلیغ کانفرنس قادیان میں تقریر کرنے پر انہیں گرفتار کر کے گورداسپور کی مقامی ماتحت عدالت کی طرف سے چھ ماہ قید کی سزا دی گئی جسے بعد ازاں سیشن کورٹ گورداسپور نے کالعدم قرار دیتے ہوئے انہیں رہا کر دیا۔دوسری جنگ عظیم کے دوران میں فوجی بھرتی کے خلاف تحریک چلانے پر سر سکندر حیات حکومت نے لالہ موسیٰ کی ایک تقریر کو بنیاد بنا کر امیر شریعتؒ کے خلاف دفعہ 121,302,153 اور 124 الف کے تحت مقدمہ درج کرتے ہوئے انہیں 8 ستمبر 1939ء کو مظفر گڑھ سے گرفتار کر لیا گیا۔یہ مقدمہ، مقدمہ بغاوت کے نام سے مشہور ہوا جو دراصل سر سکندر حکومت کی سازش تھی۔لیکن بعد ازاں مقدمے کے سرکاری گواہ لدھا رام نے عدالت میں بھانڈا پھوڑ دیا کہ وزیر اعظم پنجاب سر سکندر حیات کی طرف سے ایس پی گجرات کو ہدایت کی گئی کہ فوجی بھرتی کے خلاف متحرک مجلس احرار کے رہنما عطاء اللہ شاہ بخاری کو کسی مقدمے میں پھنسایا جائے۔چنانچہ ایس پی گجرات نے اس سلسلے میں لدھا رام کی ڈیوٹی لگائی۔لدھا رام نے لالہ موسیٰ والی تقریر کے جونوٹس لئے، انہیں ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹنگ انسپکٹر گجرات کی رہائش پر جلا کر نئی جعلی ڈائری تیار کی گئی جس کی بنیاد پر امیر شریعتؒ کے خلاف بغاوت کا مقدمہ بنایا گیا۔پول کھل جانے پر پنجاب حکومت نے ایک طرف لدھا رام کے وارنٹ گرفتاری جاری کئے اور دوسری طرف مقدمہ بغاوت کو اٹھا کر لاہور ہائی کورٹ لے گئی۔ہائی کورٹ میں دوبارہ لدھا رام کی شہادت ہوئی جس کے بعد ہائی کورٹ نے 5 اپریل 1940ء کو امیر شریعتؒ کو باعزت بری کر دیا۔اس مقدمے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ انہیں راولپنڈی میں زیر سماعت ایک دوسرے مقدمے کے سلسلے میں گرفتار کر لیا گیا۔یہاں بھی الزامات وہی پرانے تھے ،حکومت کے خلاف بغاوت، ترغیبِ قتل وغیرہ۔لیکن سیشن جج لاہور نے 7 جون 1940ء کو اس مقدمے میں بھی امیر شریعتؒ کو باعزت بری کرنے کا فیصلہ دے دیا۔امیر شریعتؒ کی آخری گرفتاری تحریک ختم نبوت 1953ء کے دوران ہوئی۔27 فروری 1953ء کو انہیں اور ان کے رفقا کو کراچی سے گرفتار کر کے پہلے کراچی جیل، پھر سکھر اور لاہور جیل میں رکھا گیا جہاں لیگی حکمرانوں نے ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جس کا جیل مینول بھی اجازت نہیں دیتا۔اس کے نتیجے میں امیر شریعتؒ کی صحت بُری طرح متاثر

ہوئی۔ بالآخر 18 فروری 1954ء کو امیر شریعتؒ اور ان کے رفقا کی رہائی عمل میں آئی۔

سیاست کا آخری دور:

امیر شریعتؒ کو قدرت نے وسعت قلبی کی دولت سے بھی مالا مال کیا اور وسعت فکر و نظر سے بھی نوازا۔ انگریز سے ٹکر، قید و بند کی صعوبتیں اور بھرپور سیاسی جدوجہد کے بعد جب قیام پاکستان کے مسئلے پر ان کی رائے ہار گئی اور مسلمان قوم نے قائداعظمؒ کے حق میں فیصلہ دے دیا تو امیر شریعتؒ نے اس فیصلے کو کھلے دل سے قبول فرمایا۔ ان کی سیاسی جدوجہد کسی دنیوی منفعت کے لئے نہیں بلکہ اخلاص پر مبنی تھی، اسی لئے انہوں نے اپنی رائے کی شکست کو انا کا مسئلہ نہیں بنایا۔ شورشؒ کے بقول ''آج کل سیاست میں جھوٹ بولنا گویا قومی روزمرہ ہے لیکن شاہ جی کے بارے میں یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ انہوں نے زندگی بھر جھوٹ نہیں بولا۔ ان کے دماغ نے فیصلوں میں غلطی کی ہوگی، آخر وہ انسان تھے،۔ لیکن ان کا دل ہمیشہ سچا رہا اور غالباً یہی سبب تھا کہ وہ کڑی سے کڑی افتاد میں بھی صحیح نکل آتے تھے'' (قلم کے چراغ۔ ص 270)۔ البتہ قیام پاکستان کے معاً بعد منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے کے مناظر دیکھ کر شورش کاشمیریؒ نے قوم اور رہنمایانِ قوم سے یہ شکوہ ضرور کیا کہ،

ہم نے اُس وقت سیاست میں قدم رکھا تھا
جب سیاست کا صلہ آہنی زنجیریں تھیں
سرفروشوں کے لئے دار و رسن قائم تھے
خان زادوں کے لئے مفت کی جاگیریں تھیں
بے گناہوں کا لہو عام تھا بازاروں میں
خونِ احرار میں ڈوبی ہوئی شمشیریں تھیں
از افق بہ افق خوف کا سناٹا تھا
رات کی قید میں خورشید کی تنویریں تھیں
جانشینانِ کلائیو تھے خداوندِ مجاز
سبز توحید کی برطانوی تفسیریں تھیں
حیف ! اب وقت کے غدار بھی رستم ٹھہرے
اور زنداں کے سزاوار فقط ہم ٹھہرے

آخری بات:

امیر شریعتؒ نے بھرپور سیاسی و تحریکی زندگی گزاری۔ وہ عمر بھر برطانوی سامراج، اس کے دیسی ٹاؤٹوں اور خود کاشتہ پودے قادیانی جماعت کے سینے پر مونگ دلتے رہے۔ تحریک آزادی ہند اور تحریک ختم نبوت میں ان کے تاریخی کردار کا تذکرہ آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ انہوں نے اپنی سیاسی جدوجہد کو جزوی طور پر ان معنوں میں کامیابی سے ہمکنار ہوتے دیکھا

کہ فرنگی سامراج ان کی آنکھوں کے سامنے برصغیر سے رخصت ہوا۔ تحریک ختم نبوت 1953ء کی صورت میں انہوں نے فتنہ قادیان کی بنیادوں میں ایسا بارود بھرا کہ جس کے نتیجے میں 1974ء میں قادیانیوں کو پاکستانی پارلیمان نے غیر مسلم قرار دیا ۔امیر شریعتؒ کو اپنے سیاسی افکار اور جدوجہد پر کوئی ندامت تھی نہ پشیمانی، جبکہ ختم نبوت پر اپنی تقاریر کو تو وہ وسیلہ نجات سمجھتے تھے ۔اگرچہ قیام پاکستان کے بعد انہوں نے سیاست سے کنارہ کرلیا لیکن مجلسِ احرار کی سرخ قمیص کو مرتے دم تک حرزِ جاں بنائے رکھا کہ مجلسِ احراران کی پہلی اور آخری محبت تھی۔ 1946ء میں لاہور میں جماعتی مجلس مشاورت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، ''خواہ ساری دنیا مجھے چھوڑ جائے مگر میں مجلس احرار اسلام کا علم بلند رکھوں گا۔ میں شہر چھوڑ کر جنگل میں چلا جاؤں گا اور وہاں ایک کٹیا بنا کر اس پر سرخ پرچم لہرا کر سب کو دعوت دوں گا کہ یہ ہے مجلس احرار کا دفتر! جس کو آنا ہو یہاں میرے پاس آجائے ۔بقاء احرار مجھے اپنی جان سے بھی عزیز ہے۔ خواہ کچھ بھی ہوجائے، یہ سرخ ہلالی پرچم لہراتا رہے گا:

جو عدوِ باغ ہو برباد ہو
چاہے گُل چیں ہو یا صیاد ہو

بالآخر 21 اگست 1961ء کو تحریک آزادی ہند کا وہ سرخیل اور تحریک تحفظ ختم نبوت کا وہ سالار اعلیٰ یہ کہتا ہوا ملتان کے جلال باقری قبرستان میں مٹی کی چادر اوڑھ کر ابدی نیند سو گیا کہ:

چھوڑی نہیں غیروں نے کوئی ناوکِ دشنام
چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرزِ ملامت
اِس عشق نہ اُس عشق پہ نادم ہے مگر دل
ہر داغ ہے اس دل میں بجز داغِ ملامت

امیر شریعتؒ کی زندگی کے حاصل کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا غلام رسول مہرؔ رقم طراز ہیں کہ، ''جس عطاء اللہ شاہ بخاری نے راہِ حق کے لئے قربانیوں میں کبھی ایک لمحے کے لئے بھی توقف نہ کیا، وہ اپنی ذات یا اہل وعیال کے لئے کبھی کسی اجر یا معاوضے کا طلبگار نہ ہوا۔ یہاں تک کہ زندگی کے بالکل آخری اوقات میں بھی وہ چُپ چاپ کرائے کے ایک مکان میں مقیم ہوگیا اور کبھی کوشش نہ کی کہ اسے کوئی درمیانے درجے کا مکان ہی الاٹ ہوجائے۔ حالانکہ اس کے گردوپیش بارہ تیرہ سال تک الاٹ منٹوں کا ایک ہنگامہِ عظیم بپا رہا۔ وہ غیر معروف فرد نہ تھے۔ ہزاروں آدمیوں کے دل فرطِ عقیدت سے اس کے لئے برابر تڑپتے رہے۔ اربابِ حل وعقد میں بھی اس کے شناساؤں بلکہ عقیدت مندوں کی کمی نہ تھی مگر اس نے اپنے لئے زندگی کا جو سانچہ تجویز کرلیا تھا، اس میں ایسی باتوں کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ اہل حق اپنی ہر متاع اہلِ عالم کی فلاح و بہبود کے لئے لٹاتے رہتے ہیں مگر خود کبھی کوئی چیز لینے کے روادار نہیں ہوتے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے لئے عزیز ترین متاع اس کی درویشی تھی۔ وہ اسی متاع پر اس طرح قانع اور مطمئن رہا کہ اربابِ اقتدار کو اپنی بلند پایہ مسندوں پر بیٹھ کر بھی کبھی وہ اطمینان شاید ہی نصیب ہوا ہو''۔ (انہی کے رنگِ گلستاں از مولانا غلام رسول مہرؔ۔ ص 492)

آغا شورش کاشمیریؒ، امیر شریعتؒ کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں کہ، ''دوہری قامت کا رعنا انسان

، چہرے پر شجاعانہ خندہ، ماتھے پر نمایاں سلوٹیں، آنکھوں میں ایک گہری دلکشی اور ہاتھ میں ڈنڈا۔۔۔اب سوچتا ہوں تو قیاس ہوتا ہے کہ قرنِ اول کے غزوات کا ایک مجاہد تھا، جسے تاریخ نے تیرھویں صدی کے بعد ایک کروٹ لے کر ہندوستان بھیج دیا ۔''(قلم کے چراغ۔ص 281)

تحریک آزادی اور تحریک ختم نبوت کے لئے امیر شریعتؒ کی خدمات کے متعلق حضرت ماہر القادریؒ لکھتے ہیں کہ ،''شاہ صاحب ایسے واعظ تھے، جو منبر کی زینت بھی تھے، اور معرکہِ تیغ وسناں میں بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔انگریز کے مستبد دور میں حق گوئی کی بدولت جوانی کا آخری زمانہ اور اس کے بعد کے چند سال قید و بند کی مصیبت میں بسر کئے، چھوٹتے اور پھر گرفتار کر کے بند کر دیئے جاتے۔ یہ سلسلہ ایک دو نہیں اٹھارہ سال تک چلتا رہا۔توپ، بندوق اور بم کے گولے تو گاندھی جی اور جواہر لال نہرو نے بھی نہیں چھوڑے، انگریز کی مخالفت اور اس کی پاداش میں جیل خانہ، تمام آزادی پسند لیڈروں کا یہی حال رہا ہے۔عطا اللہ شاہ بخاری مرحوم قربانی اور آزادی کی جدوجہد کی منزل میں ''مقدمۃ الجیش'' سے بھی آگے نظر آتے ہیں۔عشق رسول ان کی سیرت و کردار کا سب سے بڑا نمایاں وصف ہے۔حضور خاتم النبیین ﷺ کی محبت ان کے مزاج وطبیعت میں رچی ہوئی تھی۔قادیان کی جھوٹی نبوت کے خلاف انہوں نے ''لسانی جہاد'' کیا ہے۔بس یہی عملِ خیر اُن کی مغفرت کے لئے کافی ہے''۔(یادرفتگاں از ماہر القادری۔جلد دوم۔ص 139-138)

کتابیات:

1۔انہی سے رنگِ گلستاں (مولانا مہرؔ کے مضامین کا مجموعہ) مرتب: امجد سلیم علوی
2۔قلم کے چراغ (آغا شورش کاشمیری کی غیر مدوّن تحریروں کا مجموعہ) مرتب: پروفیسر محمد اقبال جاوید
3۔حیاتِ امیر شریعت از جانباز مرزاؒ
4۔سیّدی وابی از بنت امیر شریعت سیدہ ام کفیل بخاریؒ
5۔یادِ رفتگاں (ماہنامہ ''فاران'' میں چھپنے والے مختلف شخصیات کے خاکوں کا مجموعہ) از ماہر القادریؒ۔مرتب: طالب الہاشمی
6۔تحریک ختم نبوت، یادداشتیں، آپ بیتی از ماسٹر تاج الدین انصاریؒ
7۔ہم نے قادیان میں کیا دیکھا؟۔مولف: محمد طاہر عبدالرزاق
8۔آزادی کی انقلابی تحریک از ڈاکٹر محمد عمر فاروق

تعزیت نامہ

حبیب الرحمٰن بٹالوی

برادرِ عزیز خلیل الرحمٰن! السلام علیکم

میں لہلہاتی شاخ کو سمجھا تھا زندگی
پتّا گرا تو درسِ فنا دے گیا مجھے

آپ کی رفیقۂ حیات اور ہماری بھاوج اس دنیائے فانی سے کُوچ کر گئیں کہ قدرت کا یہی دستور چلا آ رہا ہے۔ جو بھی آیا ہے، اسے جانا ہے۔ مرحومہ دل کے عارضے، شوگر، سانس اور گردوں کی تکلیف میں مبتلا تھیں۔ ان عوارض نے اُن کی صحت کافی مضمحل کر دی تھی۔ کئی دفعہ گوجرانوالہ، لاہور ہسپتال میں داخل ہوئیں۔ دو چار دن کے علاج کے بعد گھر آ جاتیں، مگر اب کی بار۔

سر بسجدہ تھا مسیحا کہ میری بات رہے
ملک الموت کو یہ ضد تھی کہ جاں لے کے ٹلوں

اور آخر ملک الموت جیت گیا کہ اسے ٹالا تو نہیں جا سکتا۔ بڑے بڑے پیغمبروں پر یہ ضابطہ پورا ہوا۔ مرحومہ کے الفاظ: ''اب میں گھر نہیں جا سکوں گی۔ اب مجھے سکون کی نیند آ جائے گی''۔ بچے برداشت نہیں کر پا رہے تھے، اندر سے ٹوٹ رہے تھے۔ رات بھیانک ہو رہی تھی۔ ایک بے بسی تھی، لاچارگی تھی۔ رنج و غم کا ایک پہاڑ تھا جو بچوں پر گر پڑا تھا۔ ایک حشر بپا تھا کہ اس کی سانس کی ڈوری کاٹ دی گئی۔

میرے بھائی! نہیں معلوم! آپ نے کتنی دعائیں مانگی ہوں گی۔ کتنی تدبیریں کی ہوں گی، مگر جب دعائیں تھک جاتی ہیں، تدبیریں بے بس ہو جاتی ہیں تو تقدیر غالب آ جایا کرتی ہے اور ؎

دیکھ فانی ! یہ تیری تدبیر کی میت نہ ہو
اک جنازہ جا رہا ہے دوش پر تقدیر کے

اور یہی وہ لمحہ ہے جو ہمارے اختیار میں نہیں۔ اس پر سوائے صبر کے چارہ نہیں۔ یہی زندگی ہے اور زندگی کے پیالے بھرتے اور چھلک جاتے ہیں ؎

یہ کیا دستِ ازل کو کام سونپا ہے مشیت نے
چمن سے پھول چننا اور ویرانے میں رکھ دینا

زندگی کا دورانیہ کیا ہے میرے بھائی! انسان مسافر کی طرح دنیا میں آیا، کچھ دیر کے لیے درخت کے نیچے بیٹھا، سانس لیا اور چل دیا۔ بس یہی حیثیت ہے زندگی کی۔ اللہ تعالیٰ، اندر کی ہوا باہر نہ آنے دے یا باہر کی ہوا، اندر نہ جانے دے۔ انسان ختم۔ پھر اسے دنیا، چودھری صاحب، شاہ صاحب، شیخ صاحب، ملک صاحب نہیں کہتی۔ میت کہتی ہے۔ کہتی ہے،

جنازہ کب اٹھایا جائے گا؟ دنیا کی بس یہی وفا ہے اور لوگ تو دفن کر کے قبر تک بھول جاتے ہیں۔

اومٹی کے ماتے تجھے کتنا گماں ہے!

اور سب سے زیادہ تعجب کی بات یہی ہے کہ ہم روز دوسروں کو مرتے ہوئے دیکھتے ہیں، مگر خود زندگی اس طرح بسر کرتے ہیں، جیسے خود کبھی نہیں مریں گے۔ نہیں، نہیں۔ ہر مرنے والے کی طرح، ایک دن مساجد سے ہماری موت کا بھی اعلان ہو رہا ہوگا۔ ''بورڈ کے ملازم حبیب الرحمٰن بٹالوی، جو آج کل رائز کالج میں پڑھا رہے تھے، بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں۔ اُن کی نماز جنازہ کا اعلان بعد میں کیا جائے گا''۔

ایک جنازہ جا رہا تھا۔ ایک نوجوان نے ایک بزرگ سے پوچھا، یہ کس کا جنازہ جا رہا ہے؟ بزرگ نے جواب دیا: ''اپنا سمجھ لو میرا کہ ایک دن لوگ اسی طرح مجھے یا تجھے چارپائی پر ڈال کر قبرستان لے جا رہے ہوں گے''۔

امام غزالیؒ نے اپنے شاگرد کے سوالوں کے جواب میں تحریر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کو اٹھانے سے لے کر قبرستان لے جانے تک، اس سے خود چالیس سوال کرتا ہے، جن میں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ تو دنیا کو دکھانے کے لیے تو صاف ستھرا بنا رہتا تھا، کبھی میرے لیے صاف ستھرا بنا تھا؟

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ملک الموت ہر گھر میں تین مرتبہ روزانہ چکر لگا کر دیکھتے ہیں کہ کس کا رزق پورا ہو گیا اور کس کی عمر پوری ہو گئی۔ جس کا رزق پورا ہو جاتا ہے، اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور جب اس کے گھر والے اس کی موت پر روتے ہیں تو ملک الموت دروازے کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں: ''میرا کوئی گناہ نہیں، مجھے تو اس کا حکم دیا گیا تھا۔ واللہ! نہ تو میں نے اس کا رزق کھایا اور نہ اس کی عمر گھٹائی۔ میں تمھارے گھروں میں بار بار آتا رہوں گا، یہاں تک کہ تم میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے''۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر میت کے گھر والے ملک الموت کا کھڑا ہونا دیکھ لیں اور اس کی گفتگو سن لیں، تو وہ میت کی موت سے غافل ہو جائیں اور اپنے اوپر روئیں۔

ایک دفعہ لوگوں نے حضرت ابراہیم بن ادھمؒ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں قبول نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم خویش و اقربا کو اپنے ہاتھوں زمین میں دفن کرتے ہیں مگر عبرت نہیں پکڑتے۔ موت کو برحق مانتے ہیں، مگر عاقبت کا کوئی سامان نہیں کرتے بلکہ دنیا کا سامان جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

حالانکہ

دشت و در میں، بحر میں، گلشن میں، ویرانے میں موت — کلبۂ افلاس میں، دولت کے کاشانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قلزمِ خاموش میں! — ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں!

بہر کیف! ماں، بچوں کا چھتنار، ایک سائبان، ایک گھنا درخت کہ سارے دن کے مصائب کے ستائے ہوئے بچے، اس کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ کر، ماں سے دکھ سکھ کر لیتے تھے۔ اپنی کلفتیں دور کر لیتے تھے اور وہ اُن کی ساری تکالیف کو اپنے دامن میں سمیٹ کر بہت خوش ہوتی تھی اور یہی وہ ایک دیوار ہے جس سے ہر دکھتی کمر ٹیک لگا سکتی ہے۔ جس کے سائے میں ہر آبلہ پا ستا سکتا ہے اور اپنے زخموں کو سہلا سکتا ہے۔ اور یہی وہ گھنا درخت ہے جس کی خنک آسودگی کا احساس، اُس کی موجودگی میں نہیں

ہوتا۔ آج وہ درخت کاٹ دیا گیا تھا۔ اور روتے ہوئے بچوں کے جسم تھے مگر جان نہ تھی کہ آج اُن کو دلاسہ دینے والی ماں نہ تھی۔ ؎

مائیں جب مر جاتی ہیں
ریت سے آنکھیں بھر جاتی ہیں

اور ؎

کٹ گیا درخت مگر تعلق کی بات تھی
بیٹھے رہے زمیں پر پرندے تمام رات

پتہ نہیں! اللہ تعالیٰ اتنی بڑی نعمت دے کر چھین کیوں لیتا ہے؟ وہ بے نیاز ہے، بے پروا ہے۔ وہ سب سے پوچھ سکتا ہے، اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا۔ وہ بہتر جانتا ہے۔ کیا اچھا ہے، کیا برا ہے۔ اسی سے آسانیاں مانگتے رہنا چاہیے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس سے ڈرتے رہنا چاہیے، ہم کمزور ہیں، بے بس ہیں، لاچار ہیں۔ وہ طاقت ور ہے، زبردست حکمت والا ہے، ہمیں آزمائش میں نہ ڈالے۔

بہر حال زندگی ایک امتحان ہے، ہر ایک کو یہاں سے جانا ہے۔ جو چیز بنتی ہے، اسے بگڑنا ہے۔ سوائے اللہ کے کسی کو بقا نہیں۔ یہاں کے ہر مکان پر فنا کی تختی لگی ہوئی ہے اور مرحومہ، مغفورہ اپنی زبانِ حال سے کہہ رہی ہے کہ میں الحمدللہ اچھی جگہ پر ہوں، آپ اپنا خیال کریں، میں ملک الموت کا منہ دیکھ چکی ہوں..... آپ نے ابھی دیکھنا ہے۔ میں موت کا مزہ چکھ چکی ہوں، آپ نے ابھی چکھنا ہے اور قبرستان کی طرف نگاہ دوڑاؤ۔ کیسے کیسے حسینوں کی مٹی خراب ہو رہی ہے۔ مجھ سے پہلے میرے ماں باپ، بہن بھائی، بہت سے لوگ یہاں آچکے ہیں۔ جہاں نہ کوئی صدر بازار ہے، نہ مال روڈ، نہ حسین آگاہی ہے، نہ ہال روڈ۔ یہاں صرف ایک ہی روڈ ہے جو اچھے برے اعمال سے شروع ہو کر جزا و سزا کے موڑ پر ختم ہو جاتا ہے ہے اور

راہِ مرگ سے کیوں گھبراتے ہیں لوگ بہت اس طرف کو تو آتے ہیں لوگ

ہمیں اس جہان کی تیاری کرنی چاہیے جو ابدی ہے۔ یہ جسم، ہم رات دن جس کی پرورش میں لگے ہوئے ہیں، ایک دن مٹی میں مٹی ہو جائے گا۔ ہمیں اندر کے انسان کی پرورش کرنی چاہیے۔ ہمیں روح کی بالیدگی کی فکر کرنی چاہیے۔ جو مستقل ہے، ہمیشہ رہے گی، جس کی غذا کی نیکیاں ہیں، حسنِ سلوک ہے، نیابتِ الٰہی ہے، ضبطِ نفس ہے۔ اللہ اور رسول کی اطاعت ہے، اس طرف ہمارا دھیان ہی نہیں۔

برادرِ عزیز! مجھے سمجھ نہیں آرہی ہے کہ اس دل دوز صدمے پر آپ کو کیا لکھوں! بس صبر ہی سب سے بڑا مرہم ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہی طبیعت میں ٹھہراؤ آئے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو مرحومہ کی جدائی اور بچوں کو، ماں کی موت کے صدمے کے بدلے، اچھا اجر و ثواب عطا کرے! دنیا جہان میں عافیت سے نوازے! ہر معاملے میں آسانیاں پیدا کرے!

آپ کے غم میں برابر کا شریک
آپ کا بھائی
حبیب الرحمٰن

میرا افسانہ

(قسط:۱۱)

چودھری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

یورپی اور ہندستانی قیدی کا امتیاز:

نسل اور خون کے امتیاز نے دنیا بھر کو زیر پا رکھا ہے۔ ہندوستان اس معاملے میں بطور خاص یورپین تنگ خیالی سے نالاں ہے۔ جہاں ادنیٰ سے ادنیٰ گورا بھی اعلیٰ سے اعلیٰ ہندوستانی پر حقِ حکومت سمجھتا ہے۔ کالے پر گورے کا تفوق، اثبات جرم کے بعد جیل میں مزید نمایاں ہوتا ہے۔

ہندوستانی قیدی کی کیفیت اور اس کی ذلیل حیثیت آپ کے پیش نظر ہو چکی ہے۔ البتہ جیل میں یورپین قیدی کا جاہ و جلال تفصیل طلب ہے۔ ہندوستانی قیدی خواہ خاندانی لحاظ سے ممتاز کیوں نہ ہو، جب تک یورپین طرزِ رہائش کا سپرنٹنڈنٹ کو یقین نہ دلا دے اور وہ خوش قسمتی سے باور نہ کرے تب تک کسی امتیازی حقوق کا سزاوار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ برخلاف اس کے ایک یورپین جس کا جرم خواہ کس قدر قبیح اور قابل نفرت کیوں نہ ہو، امتیاز خاص کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان کی بدقسمتی ملاحظہ ہو۔ شریف سے شریف ہندوستانی قیدی جب احاطہ جیل میں قدم رکھتا ہے تو ہندوستانی عملہ اس کی ذلت اور رسوائی کو فرض منصبی سمجھ کر تذلیل و تحقیر میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا۔ ایک یورپین قیدی کے داخلہ جیل خانہ پر سب ملازمین کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں۔ گویا کوئی افسر اعلیٰ معائنہ و محاسبہ کے لیے آیا ہے۔ داروغہ جیل جس کا دماغ ہر وقت بالائے آسمان رہتا تھا، ذرا ہوش کے ناخن لینے لگتا ہے۔ اسے محسوس ہوتا ہے کہ ایسا قیدی اس کے چارج میں آج آیا ہے، جس کی آسائش و ضروریات روزانہ پر ہمدردانہ توجہ اس کا فرض ہے۔ وہی جیلر جو ہر وقت رعب و سیاست کی وجہ سے ہندوستانی قیدی کی التجا اور عاجزانہ درخواست پر بھی ماتھے پر سوشکن ڈالتا تھا، آج یورپین قیدی کی خوشنودیٔ مزاج حاصل کرنے کے لیے خندہ پیشانی سے مزین نظر آتا ہے، بڑھ کر معذرت پیش کرتا ہے، باقی ماتحتان ادنیٰ اس کو صاحب بہادر کہہ کر پکارتے ہیں اور ہر صبح سلام کرنے کو سعادت سمجھتے ہیں۔ قصہ کوتاہ جیل میں یورپین کی قدر بالاتر از انسان، ہندوستانی کی کم تر از حیوان ہوتی ہے۔ ذرا ہندوستانی اور یورپین قیدی کے لباس و پوشاک پر غور فرمائیں گے تو اس امر کی تصدیق ہو جائے گی۔ ہمارے ہندوستانی بھائی کے لیے بازو کٹا کرتا، لنڈا پاجامہ، ایک ٹوپی، دوسری لنگوٹی۔ صاحب بہادر کے لیے کوٹ پتلون، نکٹائی، سونے کے لیے الگ الگ سوٹ۔ ایک جوڑا بوٹ تین سوتی قمیص، ایک جوڑا جراب، ایک صاحبانہ ٹوپی، دیگر سامان آسائش اور کنگھی چوٹی، تولیہ، ایک پلنگ اور شطرنجی۔ ہندوستانی بے چارے کے لیے بجائے پلنگ کے کھڈی۔ مونج ٹاٹ کا بستر، اپنا ہی بازو اس کا سرہانہ۔ یورپین قیدی کے سامان آسائش و آرم کے اس سرسری ذکر کے بعد خوردنی اشیاء کا مختصراً ذکر مناسب ہوگا۔ ہندوستانی بے چارے کی عام خوراک ادنیٰ قسم کی سبزی، گندم، جو جوار کی روٹی، مونگ، مسور کی دال پر مشتمل ہے۔ ان کھانوں کو لذت بخشنے کے لیے 0.25 چھٹانک تیل کا تڑکا لگا دیا جاتا ہے۔ یورپین کو ہر قسم کی خوراک بقدر ضرورت مل جاتی ہے۔ گوشت، گھی، مکھن، شکر، چینی، مٹر، آلو، کدو، سوجی اور شکر ڈال کر

فیرنی بنا کر کھلائی جاتی ہے۔ نظر بحالاتِ بالا آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ یورپین بدمعاش کس طرح آپ کے صوبہ کانفرنس کے صدر سے زیادہ محترم و معتبر تصور کیا جاتا ہے۔ وہ کولہو اور کنواں چلانے، مونج کوٹنے اور دیگر قسم کے ذلیل ترین کاموں پر لگایا جاتا ہے، مگر یورپین قیدی کے متعلق ایسا خیال کرنا بھی تمدن و تہذیب کی ہتک سمجھی جائے گی۔

وہ سماں قابلِ دید ہوگا جب کہ وزیر زراعت کو جیل کا لباس پہنایا جا چکا ہوگا۔ اس دیدہ زیب لباس سے انسان کو ایک دم کی کسر چھوڑ کر باقی بالکل لنگور کی شکل نکل آتی ہے۔ جیل مینول میں ہندوستانی قیدیوں کے تجویز شدہ لباس پر ان مسخروں کی جماعت کی ذہنی قابلیت کی ضرور داد دینی پڑتی ہے، جنھوں نے موجود جیل مینول کو مرتب کیا۔ کیونکہ اس سے زیادہ ناموزوں اور مضحکہ خیز لباس کسی کے وہم میں نہیں آ سکتا۔

نوٹ:

قیدیوں سے کام لینا تو ہوا۔ مگر حوالاتیوں سے مشقت لینا کس قدر بے انصافی ہے۔ یہ بے انصافی جیل میں عین انصاف ہے۔ غریب ہندوستانی اپنے حقوق کو جیل کے باہر کیا سمجھتے ہیں، جو اندر ان سے توقع کی جائے۔ بے چاروں کو سارا سارا دن کام پر لگائے رکھا جاتا ہے۔ اور عموماً بعض حوالاتی کام سے انکار کرتے ہیں، مگر وارڈر کوٹھڑی میں بند کر کے قفل لگا دیتا ہے۔ بندش سے تنگ آ کر مشقت پر راضی ہو جاتے ہیں۔ ملازمین صرف ''دوباروں'' سے دبتے ہیں۔

''دوبارہ'' اس قیدی کو کہتے ہیں، جو ایک بار سے زیادہ سزایاب ہو۔ ایک بار سے دوبار کا امتیاز اس طرح کر دیا جاتا ہے کہ اس کی ٹکٹ پر بجائے اے کے بی لکھ دیا جاتا ہے۔ جس کے معنی عادی مجرم کے لیے جاتے ہیں۔ اس کے ہاتھ میں ایک اور زیور کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایک لوہے کا پتلا سا کڑا پہنا کر جتنی بار کا سزایاب ہو۔ اتنے ہی تعداد لکیر کھودی جاتی ہے۔ کسی ذمہ داری کے کام یا قیدیوں کی نگرانی پر نہیں لگایا جاتا۔ دوبارہ قیدیوں سے حکام ہمیشہ خوف کھاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس گھر کا بھیدی ہو چکا ہوتا ہے۔

جگنی:

جیل میں قیدی دعا مانگا کرتے ہیں کہ جگنی ملے۔ مجھے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جگنی جو بلی سے بگاڑا ہوا لفظ ہے، تخت نشینی یا ایسی دیگر قسم کی مراسم شاہی پر قید میں تخفیف ہو جاتی ہے۔

نئی صورتِ کشمکش:

جب جیل میں ہر قسم کی جدوجہد کا خاتمہ کر دیا گیا اور ہر طرف امن و امان نظر آیا تو شیطان نے نئے سپرنٹنڈنٹ کے کان میں پھونک ماری کہ صاحب یہ لوگ جوتے کے یار ہیں۔ رضا خان نرمی سے پیش آئے تو یہ لوگ سخت ہو گئے۔ مسٹر کنگ نے کان اینٹھے تو ڈھیلے پڑ گئے۔ یہ نرمی اس لیے ہے کہ ان کی گرمی مسٹر کنگ نے نکال دی ہے، یہاں سیدھی انگلی گھی نہ نکلے گا۔ مسٹر چارٹر سادہ لوح تھے، یہ بات پلے باندھ لی۔ اپنی طبیعت اور مزاج کے خلاف سختیاں شروع کر دیں۔ جو مسٹر کنگ نے کسر چھوڑی تھی وہ مسٹر چارٹر نے پوری کر دی۔ سزاؤں پر تو صبر کیا، اب مذہب میں بھی دست اندازی شروع ہوئی۔ ملازمین سید رضا علی کے وقت عزت و احترام سے نام لیتے تھے، مسٹر کنگ قیدی اور ملازم دونوں پر سخت گیر تھا۔ مگر

اب ملازم آزاد، قیدی لاچار تھے۔ انھوں نے سپرنٹنڈنٹ کی شرافت پر بھروسہ کیا، مگر افسوس کہ اس کے غلط معنی سمجھے گئے۔ ایک نوعمر سیاسی قیدی چراغ محمد کو روزے کے ہوتے چکی پسوائی گئی، رام پرتاب سے شری بھگوت گیتا اور مولوی غلام نبی سے قرآن شریف اس گناہ پر چھینا گیا کہ سپرنٹنڈنٹ کی آمد پر وہ کیوں مصروف تلاوت رہا اور تعظیم کے لیے کھڑا نہ ہوا۔ تمام سیاسی قیدی ملازموں کی بدسلوکی سے تنگ آ گئے تھے۔ کیونکہ اب وہ اکثر بدزبانی بھی کیا کرتے تھے، جبر صبر سے بڑھ رہا تھا۔ اسی عرصے میں سپرنٹنڈنٹ نے گندم کی روٹی کی جگہ مسی روٹی کے استعمال کا حکم دیا۔ اب صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ سیاسی قیدیوں نے سمجھا کہ یہ سب ہمیں ذلیل اور دق کرنے کی منصوبہ بازیاں ہیں۔ انھیں یہ بھی صاف معلوم ہو گیا کہ حکام و ملازم ہماری سابقہ بزدلی و عدم برداشت سے یقین کر چکے ہیں کہ ہمارے اندر ہمت و حوصلہ نہیں کہ ہم کسی سے احترام کرا سکیں۔

سٹرائیک (بھوک ہڑتال):

جیل میں بات منوانے کا بجز سٹرائیک کے کوئی طریقہ نہیں۔ عرض داشتوں کو کوئی سنتا ہی نہیں مگر پچھلے تلخ تجربے پیش نظر تھے اور خیال تھا کہ اگر اب کہ سٹرائیک میں ناکامی ہوئی اور بزدلی کا اظہار ہوا تو جیل میں جینے کی صورت نہ رہے گی۔ اس لیے سب کو کہہ دیا کہ جان جوکھوں کا کام ہے۔ سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیے، اوّل یہ تجویز ہوئی کہ ایک وقت فاقہ ہو دوسرے وقت کھانا لو، مگر یہ غیر مؤثر سمجھی گئی۔ اس لیے درمیانی راہ یہ نکالی کہ روٹی چھوڑ کر چنوں پر گزارا کرو۔ چنانچہ اسی سمجھوتہ پر سٹرائیک شروع ہو گیا۔

حکام جیل نے بزعم خود ہماری کمزوریاں پالی تھیں، ان کا خیال تھا کہ بھوک کی ہم تاب نہیں لا سکتے ہیں، اس لیے کمزروں کا دلیا اور تندرستوں کے چنے بھی بند کر دیے۔ ہمارے اردگرد پہرہ مضبوط کر کے ہمارے صبر کا امتحان لینے لگے۔ دو دن گزرے، نہ کسی افسر نے بات پوچھی، نہ کسی قیدی نے کی۔ تیسرے روز کچھ اِدھر بے کلی، کچھ اُدھر اضطراب ہوا، حکام نے صرف دو دن کے دم کا اندازہ لگایا تھا، تیسرے روز بھی فاقہ کشوں کے اسی مزاج، دم خم کو دیکھ کر افسران جیل پریشان ہوئے۔ نو عمر قیدی باوجود منع کرنے کے سٹرائیک میں شامل ہو گئے تھے، وہ دوسرے دن ہی بے تاب ہو گئے۔ درختوں کے پتے کھانے شروع کر دیے۔ ادھر سپرنٹنڈنٹ نے درخت کٹوا دیے کہ نہ رہے باقی بچے، نہ کتا کھائے۔ ادھر پتوں کی تلاشی کا حکم دیا۔ نوعمر فاقہ کشوں نے سنا تو باقی پتے بکری کی طرف چبا گئے۔ ڈکار مارا اور شیر ہو گئے۔ یہ تو بچوں کے کھیل، کرتب تھے۔ مگر دوسرے گروہ کی حالت زبوں ہونے لگی، اٹھتے سر میں چکر اور بیٹھتے آنکھوں سامنے اندھیرا آنے لگا۔ کوئی کمزوری کا اظہار نہ کرتا تھا۔ کیونکہ ہر ایک کو خیال تھا کہ پہلے فاقہ کو ناکام چھوڑا کر اس حالت کو پہنچے۔ اب خدا جانے کیا گت بنے۔ مسلمانوں پر خدا کی اور عنایت تھی۔ ایک فاقہ دوسرے رمضان کے دن، مئی کا مہینہ۔ فاقہ تو کٹے۔ پیاسا کیونکر کاٹے۔ گرمی سے پیشاب تیزاب کی طرح تیز، خون کی طرح سرخ ہو گیا۔ ٹانگوں اور بازوؤں میں درد شروع ہوا اور بے ہوشی سی طاری ہونے لگی۔ آنکھیں خود بخود بند ہوئی جاتی تھیں۔ فاقہ کا تیسرا روز گزارا، چوتھا دن آیا، دوپہر گزری، شام ہونے کو آئی۔ اب موت کا انتظار تھا کہ چیف وارڈر آ پہنچا۔ داروغہ صاحب آپ کو اور غازی کو بلاتے ہیں۔ میں نے اطمینان کی سانس لی اور کہا چلیے، ہم آتے ہیں۔ میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھا کہ دشمن مار لیا۔ کیونکہ چار روز بلانا تو درکنار داروغہ اور سپرنٹنڈنٹ کی شکل دیکھنے کے چور ہو گئے تھے۔

ہم دونوں کے ہونٹوں پر پپڑی جمی اور منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، اس کی ندامت کے باعث اور ہماری فاقہ مستی کی وجہ سے۔ ہم نے اس کی صورت کی جس پر شکست جلی طور سے تحریر تھی، دیکھ کر تبسم اور انھوں نے ہماری طرف دیکھ کر زہر خندہ کیا۔ مسٹر گورداس رام بی اے وکیل، سردار بھگت سنگھ جتھ دار امرتسر پہلے ہی موجود تھے۔ داروغہ صاحب نے پوچھا، اب کیا کیا جائے؟ جواب دیا، جو سمجھ میں آئے۔ آخر جیلر کو تسلیم کے سوا کچھ بن نہ آئی کہ مذہبی کتب کا چھیننا اور روزہ سے چکی پر لگانا غلطی تھی۔ اس نے وعدہ کیا کہ اگر سٹرائیک ختم کر دو تو کتب واپس کر دی جائیں گی اور جو سزا بھگت رہے ہیں، ان سے سزا اٹھا دی جائے گی۔ اب داروغہ دبے اور ہم اکڑے۔ صاف کہا کہ ہم اکیلے کچھ نہیں کر سکتے، جب تک تمام سیاسی قیدی ایک جگہ مل کر مشورہ نہ کر لیں۔ داروغہ نے اجازت دی۔ ساتھیوں سے مل کر معلوم ہوا کہ بعضوں کی حالت نہایت خراب ہے۔ یہ جھگڑا جلدی چکا دینا اور فاقہ ختم کرا دینا ہی مصلحت تھی۔ مگر فاقہ مستوں نے نہایت سخت شرائط صلح پیش کیں۔ یعنی یہ کہ ایک سب کمیٹی بنائی جائے، جس کا فیصلہ سب منظور کریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، غازی عبدالرحمٰن ہماری طرف سے شرائط صلح طے کرانے لگے۔

مگر سب کمیٹی کے مطالبات کے ایک جزو کو داروغہ ماننے پر پورے طور سے تیار نہ تھا۔ بظاہر انکار تھا، مگر معلوم ہوتا تھا وہ معاملہ کو ختم کر دینے کو بہت ہی بے تاب تھا۔ اس وقت کوئی فیصلہ نہ ہو سکا، رات بھر فاقہ سے کٹی، مگر ہمیں پورا یقین تھا کہ صبح تک حکام ہتھیار ڈال دیں گے۔ اسی امید پر زیادہ کمزوری یا بے تابی نہ بڑھی۔ صبح سویرے جیلر جیل میں آیا، سیاسی قیدیوں کے حسب منشا معاملہ فیصلہ کا کرنے کا یقین دلایا۔ آج تو داروغہ کے دم خم ایسے نکل چکے تھے کہ ہم جو چاہتے منواتے، روٹی کے متعلق سپرنٹنڈنٹ نے وعدہ کیا کہ جلدی سے جلدی منظوری انسپکٹر سے منوائی جائے گی۔ غرض حکام کے سر سے خیال خودسری نکل گیا۔ آئندہ محتاط رہنے کا وعدہ کیا۔ قرآن پاک شریمد بھگوت گیتا واپس کی گئی۔ جو زیر عتاب تھے، ان سے حکم سزا اٹھایا گیا۔ اس لیے قیدیوں نے پانچویں روز فاقہ کھول دیا۔

لالہ بنی پرشاد وکیل، خان عبدالغفار اور میر غلام بھیک نیرنگ کی نیرنگئ قلم نے اس واقعہ کے متعلق اخبارات میں مؤثر انداز میں رنگ آفرینی کی ہے۔ جو تحریر انھوں نے اخبار ''بندے ماترم'' میں شائع کی، اس کا نقل کرنا یہاں خالی از دل چسپی نہ ہوگا۔

> ''لاہور، ۷ مئی۔ انبالہ جیل میں پولیٹکل قیدیوں کا معاملہ بدستور کھٹائی میں پڑا ہوا ہے۔ اور ان کی حالت بہت خراب ہے۔ ۷ مارچ تک ایک ہندوستانی مجسٹریٹ یہاں پر سپرنٹنڈنٹ جیل تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا عملی طور پر پولیٹکل قیدیوں کے حق میں یا برخلاف کوئی خاص شکایت نہ تھی۔ البتہ یہ کہا جاتا ہے کہ حاکموں کے نقطہ نظر سے پولیٹکل قیدی آنند منا رہے ہیں۔
>
> ۷ مارچ کو انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات نے انبالہ جیل کا معائنہ کیا۔ اس کی ملاقات کے وقت بہت سے ناخوش گوار واقعات رونما ہوئے۔ جن کو کوئی شخص بھی حق بجانب ٹھہرانے کو تیار نہیں اور ان واقعات کی حمایت نہیں کر سکتا۔ لیکن کوئی بھی منصف مزاج شخص تمام واقعات کا بوجھ قیدیوں کے کندھے پر نہیں پھینکے گا۔ ان تمام واقعات کی تفصیلات زیر تحقیقات ہیں۔ مقامی جیل سے رہا شدہ بہت سے قیدیوں کی شہادت لی گئی ہے اور ان کے بیانات درج کیے گئے ہیں۔ ہم فی الحال تمام واقعہ کے حق اور مخالف امور کے افشا کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ ہم فی الحال تمام واقعہ کے حق اور مخالف امور کے افشا کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ صرف اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ ۷۔ مارچ کے واقعات سے جیل کے سپرنٹنڈنٹ کی تبدیلی ہوگئی۔ اور مسٹر کنگ کے۔ سی۔ ایس۔ نے جیل

کا چارج لے لیا۔ ان کے قدوم مبارک خاص اہم واقعات سے پر ثابت ہوئے کہ گورنمنٹ پنجاب نے وزیر مال کو برائے تحقیقات انبالہ جیل میں ملاحظہ کے لیے بھیجا۔ اس معائنہ کا نتیجہ کیا ہوا۔ ابھی معلوم نہیں۔ اب مسٹر کنگ کی جگہ میجر چارٹر سپرنٹنڈنٹ جیل مقرر ہوئے۔ چارٹر کو ایک ماہ سے زیادہ چارج لئے ہو گیا ہے۔ لیکن ان کی اس تقرری سے معاملات بجائے سلجھنے کے زیادہ خطرناک صورت اختیار کر گئے ہیں۔ مسٹر کنگ کی سختی اور میجر چارٹر کی نا قابل فہم خاموشی دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ گزشتہ دو روز سے پل پل یہ افواہ گشت کر رہی تھی۔ کہ انبالہ قیدی دوبارہ فاقہ کشی پر مجبور ہو گئے ہیں۔ آج ضلع امرتسر کا ایک سپیشل قید ی مندرجہ ذیل درست واقعات کی اطلاع لایا ہے۔ کہ حالات سے مجبور ہو کر ۱۰۰ کے قریب قیدیوں نے ۳ مئی کی صبح کو خوراک کھانے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح فاقہ کشی کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اور آج سوائے چالیس آدمیوں کے باقی تمام بیمار پڑے ہیں۔ اور فاقہ کشی کے باعث بہت کمزور اور دبلے ہو گئے ہیں۔ جیل کے سلوک کے حق یہ ایک دلچسپ تشریح ہے کہ جب قیدیوں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ تو ادھر سے افسران جیل نے بھنے ہوئے چنے دینا بھی بند کر دیا ہے۔ اس پر بھی اکتفا نہیں۔ بلکہ احاطہ ورکشاپ میں دولسوڑے کے درخت ہیں۔ جن پر کچے پھل لگے ہوئے تھے۔ کچھ بھوکے قیدی ان کے کچے لسوڑوں اور پتوں کو کھانے پر مائل ہوئے۔ تو افسران کو یہ بھی ناگوار گزرا۔ اور انہوں نے ان درختوں سے تمام پتے اور پھل اتروا کر باہر پھینکوا دیئے۔ تا کہ قیدی انہیں کھا نہ سکیں۔ معلوم ہوا کہ مندرجہ ذیل اصحاب بہت کمزور ہو گئے ہیں۔

(۱) چوہدری افضل حق عدم تعاونی سب انسپکٹر پولیس (۲) خان عبدالرحمٰن خان غازی ایم۔ اے لاپلوری۔ (۳) سردار بھگت سنگھ علاوہ ازیں سردار ٹھا کر سنگھ۔ کرپا سنگھ اور میاں چراغ الدین فاقہ کشی سے بے ہوش پڑے ہوئے بیان کئے جاتے ہیں۔ جس وقت ہمیں رپورٹ دینے والے سردار ذیل سنگھ کی رہائی آج صبح ہوئی۔ تو اس وقت بھوک کے باعث کرپال سنگھ سرجیت سنگھ اور میاں چراغ الدین کی حالت بہت نازک تھی۔ وہ کمزوری کے کارن بالکل بے ہوش پڑے تھے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں افسران جیلر نے گندم کی روٹی دینا بند کر کے یہ نازک حالت پیدا کر دی ہے۔ اس نوٹ کو ختم کرنے سے پہلے ہم یہ ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ اس سے متعلق کافی شہادت ہے۔ کہ قیدیوں سے باقاعدہ طور پر بدسلوکیاں کر کے انہیں گرانے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ چوہدری افضل حق۔ خواجہ عبدالرحمٰن غازی۔ چوہدری اکھے رام۔ لچھورام اور بہت سے دیگر اصحاب کے حالات جو تفصیلاً ہمارے پاس موصول ہوئے۔ ظاہر کرتے ہیں کہ کس طرح کا نامناسب سلوک ان سے روا رکھا گیا تھا۔

۸۔ مارچ سے چوہدری افضل حق کو قید تنہائی میں دیا گیا ہے۔ ۱۳ دن تک ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں اور کھڑی ہتھکڑی تک بھی لگا دی گئی۔ لیکن یہ بہت دیر تک نہ رکھی گئی۔ ان کی جسمانی بناوٹ بہت کمزور ہے۔ عام لوگوں کو تو وہ تپ دق کے مریض بھی دکھائی دیتے ہیں۔ اب تازہ رپورٹ ہے۔ کہ وہ بالکل لاغر اور دبلے پتلے ہو گئے ہیں۔ ان کی بدقسمتی کی وجوہات ابھی تک معلوم نہیں۔ البتہ وہ پولیس کی سب انسپکٹر شپ چھوڑ کر نان کوآپریشن کی فوج میں بھرتی ہو گئے تھے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے دلیری کا ثبوت دیتے ہوئے نہایت دیانت داری سے انبالہ جیل کے حالات کے متعلق کئی سچائیوں کا اظہار کر دیا تھا۔ لیکن یہ واقعات اتنے ہی قابل اعتراض تھے کہ ضوابط جیل سے بدتر سلوک روا رکھا جاتا۔ ابھی تک یہ بھی ایک پوشیدہ راز ہے۔ انہوں نے سپیشل کلاس کی تمام مراعات سے فائدہ اٹھانے سے انکار کر کے معمولی قیدیوں کے

ساتھ شامل کئے جانے کے لئے درخواست کی تھی۔ غالباً ان کی یہ درخواست جیل کی ضابطہ شکنی متصور کی گئی اور ان کو ایک ساتھ تین سزائیں دی گئیں۔ (۱) سپیشل کلاس کی مراعات ضبط کیا جانا۔ (۲) قید تنہائی کی کوٹھڑی میں بند کیا جانا (۳) جیل کی وردی پہنایا جانا۔ حلانکہ مسٹر غازی کو محض قید کی سزا ملی ہوئی ہے۔ اس کے مطابق انہیں ذاتی کپڑے پہننے کا حق حاصل ہے۔ اس فاقہ کشی۔ بیماری۔ گرمی اور قلت پانی کے باوجود وہ شیر مرد ماہ رمضان میں روزے رکھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہ یہ اچھی طرح جانتے ہوئے جیل میں گئے کہ جیل کی زندگی کوئی پھولوں کی سیج نہیں۔ افضل حق، غازی، اکھے رام، بھگت سنگھ اور درجنوں ہی دیگر اشخاص اپنے مشن کے لئے بہادرانہ قربانی اور نہ دیکھنے والی عقیدت کا ایک شاندار ریکارڈ لے کر واپس آئیں گے۔ اور نان کوآپریشن کی فوج کے معمولی سپاہی میں تپسیا کے لئے فخر کرنے کا حق رکھیں گے۔

آپ غرق حیرت ہوں گے کہ اے کلاس کے وہ قیدی جو دو دن کا فاقہ برداشت نہ کر سکے تھے۔ انہوں نے پانچ روز صبر کیسے کیا۔ اگر اے کلاس کی بے ادبی نہ ہو تو کہوں کہ پہلی ٹکر میں منہ کی کھا کر ان کا پیٹ پھر چکا تھا۔ اب کے انہوں نے فاقہ کا حوصلہ نہ کیا تھا۔ ہماری کامیابی کا راز بھی اسی بات میں مضمر تھا کہ آرام طلب و خوش خور حضرات اس جدوجہد میں شامل نہ ہوئے تھے۔ میں جیل اور جیل کے تمام حالات کا اندازہ لگا کر افسوس ناک نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ تعلیم یافتہ طبقہ میں وہ سچائی اور برداشت نہیں جو رہنما طبقہ میں ہونی چاہئے۔ ایسے سخت فاقہ کو کامیابی کی حد تک پہنچا طبقہ اولیٰ سے ممکن نہ تھا۔ یہ صرف طبقہ ادنیٰ ہی کا حوصلہ اور ہمت تھی کہ یہ قیامت کے دن کاٹ گزارے۔ سابق سپرنٹنڈنٹ نے، کیونکہ یہ جلدی دب جاتے تھے، اے کلاس کا شاید ہی ایک آدھ قیدی ہو جسے اس نے سزا دے کر ذلیل نہ کیا ہو۔ مگر وہ ذلت اٹھا کر دن بدن بے حس ہوتے گئے۔

فاقہ کھولنے کے بعد سپرنٹنڈنٹ ملے۔ شکوہ کیا کہ اگر میرے طرز عمل سے قیدی ایسے نالاں تھے۔ تو مجھے بتا دیا ہوتا یا سٹرائک جلدی ختم کرا دیا ہوتا۔ میں نے جواب دیا کہ نہ بتانا چاہے میری غلطی ہو، سٹرائیک کا ختم کرانا آپ کے بس کی بات تھی۔ اس حقیقت کے اظہار میں تردد نہیں کہ مسٹر چارٹر کا رویہ میرے ساتھ نہایت شریفانہ تھا۔ قید تنہائی میں رہنے والے غازی عبدالرحمٰن و لالہ چیت رام صاحب کو بھی کوئی وجہ شکایت نہ تھی۔ مگر ہم شامل سٹرائک اس لئے تھے کہ ہمارے بی کلاس والے بھائیوں کے ساتھ ان کا سلوک قابل اعتراض تھا۔

پانچ روز کے فاقہ کے بعد بجائے ہلکی غذا کے وہی بیسنی روٹی ملی۔ کسی نے عذر نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس قدر کمزور معدہ تھے۔ وہ اسہال سے نڈھال ہوئے۔ باوجود احتیاط کے مجھے بھی ساتھیوں کا ساتھ دینا پڑا۔ کیا کہوں کہ میری کیا حالت ہوگئی۔ دم نکل کر آیا۔ زندگی روٹھ منائی۔ اگرچہ اب تک بقید حیات ہوں۔ مگر میری صحت کا یہ عالم ہے کہ رعشہ کی سی کیفیت ہوگئی اور انگلیوں سے قلم تھامنی مشکل ہے۔ کوٹھڑی میں سوائے غازی عبدالرحمٰن لالہ چنت رام اور میرے تمام سیاسی قیدی حسب الوعدہ نکالے گئے۔ اب چند دن کے بعد غازی صاحب کو بھی کوٹھڑیوں سے نکالا گیا۔ میجر چارٹر کو میرے بارے میں تذبذب تھا۔ کیونکہ ڈپٹی کمشنر کی مجھ پر نظر عتاب، سابق سپرنٹنڈنٹ مجھ سے ناراض..... کرتے تو کیا کرتے؟ آخر قسمت نے پلٹا لیا، اڑھائی ماہ کی قید تنہائی کے بعد کال کوٹھڑی سے آزادی ملی اور بارک کی کھلی ہوا نصیب ہوئی۔ اتنی مدت کے بعد پھر دوستوں سے مل بیٹھنے کا موقعہ پا کر طبیعت نہال ہوگئی۔

(جاری ہے)

احرار کا چراغ مصطفویؐ.....قادیاں کا شرار بولہبی (قسط:۲)

شورش کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ

چودھری افضل حق علیہ الرحمۃ احرار کے شہ دماغ تھے۔ انھوں نے اپنے مختلف خطبوں میں قادیانیت کا سیاسی تجزیہ کیا۔ تاریخِ احرار (طبع ثانی) کے صفحہ ۱۷۶ تا ۱۸۷ پر ''فتنہ قادیان'' کے زیرعنوان نہایت شرح وبسط سے روشنی ڈالی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) ملت اسلامیہ کی تشکیل محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔ ان کے بعد کسی نبی کے مبعوث ہونے کا سوال ہی نہیں۔ ان کے بعد کسی بھی شخص کے دعویٰ نبوت سے ملت اسلامیہ تقسیم ہوجاتی اور اس کی وحدت قائم نہیں رہتی۔ دین خدا کا ہوتا ہے، لیکن ملت پیغمبر اٹھاتے ہیں۔ مرزا قادیانی خود کوئی ملت پیدا کرنے سے قاصر تھا۔ اس کا وجود استعماری خواہش کا نتیجہ تھا۔ اس نے ملت اسلامیہ میں نقب لگائی اور وحدت اسلامی کو دولخت کرنا چاہا، اس طرح اپنے پیروؤں کی ایک ایسی جماعت پیدا کی جو ہندوستان اور ہندوستان سے باہر اسلامی ملکوں میں برطانوی عملداری کی ہرنوعی خدمات انجام دے رہی ہے اور اپنی اس مسلسل غداری پر قادیانی اُمت نے ہمیشہ فخر و ناز کیا ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود اس سلسلہ میں کرنل لارنس ثابت ہورہا ہے اور اپنے اس کردار کو اپنے والد کے ملہمانہ ارشادات کی متابعت قرار دیتا ہے۔

(۲) قادیانی نبوت نے انگریزی حکومت کی الہامی تائید کرکے برطانوی اقتدار کا اعتماد حاصل کیا، نتیجتاً وہ کئی ایک سرکاری محکموں میں بہت زیادہ اثر ورسوخ کے مالک ہیں۔ بعض جگہ سارے کا سارا ضلع ان کے اثر ورسوخ میں ہے، کئی ایک ملازمت کے خواہاں اور روزگار کے متمنی لوگ قادیانی امت کی سفارشات حاصل کرتے اور ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ہر ضلع کے قادیانیوں کا شعار ہے کہ انتظامیہ کو مختلف تحریکوں کے احوال ووقائع سے مطلع رکھتے اور اس طرح حکام ضلع کا اعتماد حاصل کرتے ہیں۔

(۳) ایک معمولی اقلیت ہونے کے باوجود قادیانی اثرات کا یہ حال ہے کہ اسمبلی کے امیدوار، ان کے خلیفہ سے رجوع کرکے قادیانی ووٹ حاصل کرتے اور اس طرح قادیانی احتساب کی تحریک سے محفوظ ہوجاتے ہیں۔ مسلمانوں کے بالائی طبقے کو احساس واندازہ ہی نہیں کہ مرزائی کس مقصد کی تخلیق اور کس فن کے اہل کار ہیں اور ان کی بدولت اسلام اور مسلمانوں پر کیا بیت رہی ہے۔ فی الجملہ قادیانی برطانوی سرکار کی خوشنودی کے حصول کا ایک ذریعہ ہیں۔

(۴) مسلمانوں کی ملازمتوں پر قبضہ کرنے اور ان کی سیاست کو ہاتھ میں رکھنے کے لیے قادیانی عامۃ المسلمین کی سیاسی وحدت میں رہتے ہیں ورنہ ان کے نزدیک تمام مسلمان کافر ہیں۔

چودھری صاحب علیہ الرحمۃ نے اعلان کیا کہ:

(۱) قادیانی برٹش امپریلزم کے کھلے ایجنٹ ہیں۔

(۲) وہ استعماری ذہن رکھتے ہیں، اردگرد کی غریب آبادی کا بائیکاٹ کرنا اور دوسرے ذرائع سے انھیں مرعوب کرنا، ان کا دھندا ہے۔

(۳) وہ مسلمانوں میں بطور ففتھ کالم کام کرتے ہیں۔

مرزائیوں نے علماء کی احتسابی تحریکوں کے باوجود قادیاں کو اپنی ریاست بنا رکھا تھا۔ مرزا بشیر الدین محمود نے صوبہ کے مختلف اضلاع سے اپنی اُمت کے افراد بلوا کر قادیان میں بسا لیے تھے۔ علماء فتاویٰ جاری کرتے یا وعظ فرماتے، لیکن خم ٹھونک کر مقابلہ میں نہیں آتے تھے۔ حاجی عبدالرحمٰن اور حاجی عبدالغنی بٹالہ میں ''شبان المسلمین'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی تھی۔ دونوں بھائی مقامی رئیس اور ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی تھے۔ ان سے مرزائی امت اس طرح پسپا ہو چکی تھی کہ مرزا بشیر الدین کی سازش سے حاجی عبدالغنی شہید کیے گئے۔ شبان المسلمین کے ارکان مختلف علماء کو بلوا کر سالانہ اجلاس منعقد کرتے اور قادیانیت کی خبر لیتے اور یہی ان کا دائرہ کار تھا۔ ایک سال اجتماع ختم ہونے پر بعض علماء قادیاں دیکھنے لگے تو قادیانی شہ زوری کا حال یہ تھا کہ مرزا بشیر الدین کے ایما پر مرزائی نوجوانوں نے ان علماء پر ہلہ بول دیا۔ انھیں اس بری طرح پیٹا کہ پناہ بخدا، چونکہ مقامی پولیس اور دوسرے حکام مرزا بشیر الدین کی مٹھی میں تھے اس لیے کسی نے رپٹ تک نہ لکھی اور نہ کوئی دادرسی کی۔ اس کے بعد کئی ایک سال تک صحیح العقیدہ مسلمان قادیان جاتے ہوئے ڈرتے۔ مجلس احرار نے اس دہشت کو توڑنے کے لیے اپنے چند رضا کار قادیان بھیجے کہ وہاں جا کر مسلمانوں کی مساجد میں اذان دیں، کیونکہ مرزائی اپنے سوا کسی کو اذان بھی دینے نہ دیتے تھے۔ رضا کار وہاں پہنچے، اذان دی، لیکن قادیانی ڈنڈے لے کر پل پڑے اور ان مؤذن رضا کاروں کو اتنا مارا کہ زخموں سے چور ہو گئے۔ وہ مدت تک ہسپتال میں زیر علاج رہے، اس بہیمانہ تشدد کے خلاف مجلس احرار نے بٹالہ کانفرنس کی اور حکومت کو پہلی دفعہ للکارا کہ وہ اپنی چہیتی امت کے منہ میں لگام دے، ورنہ نتائج خطرناک ہوں گے۔ لیکن حکومت کے کانوں پہ جوں تک نہ رینگی اور نہ قادیانی ٹس سے مس ہوئے، وہ گویا قادیان کی ریاست کے راجواڑے تھے اور وہاں قانون ان کے اشارہ ابرو پر حرکت کرتا تھا۔

جب پانی سر سے گزر گیا اور قادیانی سرکش ہوتے گئے تو احرار نے جولائی ۱۹۳۵ء میں ورکنگ کمیٹی کے اجلاس منعقدہ امرتسر میں فیصلہ کیا کہ قادیانیں میں احرار کا مستقل دفتر کھولا جائے جو قادیانی امت کے اعمال و افکار کی نگرانی کرے۔ اس غرض سے مولانا عنایت اللہ چشتی (چکڑالہ) کو دفتر کا انچارج مقرر کیا گیا، یہ وہ زمانہ تھا جب مسٹر ڈی جی کھوسلہ سیشن جج گورداس پور کے الفاظ میں قادیانیوں کا تمرد اور شورہ پشتی اپنی معراج کو پہنچی ہوئی تھی، جو لوگ قادیانی جماعت میں شامل ہونے سے انکار کرتے، انھیں نہ صرف قادیان سے نکال دیا جاتا بلکہ بعض اوقات مکروہ ترمصائب کی دھمکیاں دے کر دہشت انگیزی کی فضا پیدا کی جاتی۔ مرزا محمود نے عدالتی اختیار اپنے ہاتھ میں لے رکھے تھے۔ قادیان میں دیوانی اور فوجداری مقدمات کی سماعت کی جاتی، جو لوگ مخالف تھے ان کے مکانوں کو جلایا گیا۔ کئی ایک افراد قتل کیے گئے۔ مسٹر کھوسلہ نے اپنے فیصلہ میں اس کی مثالیں بھی دی ہیں۔ ان کے روبرو مرزا بشیر الدین محمود نے تسلیم کیا کہ قادیان میں

عدالتی اختیارات استعمال ہوتے ہیں اور ان کی عدالت سب سے آخری اپیل کی عدالت ہے۔ اس غرض سے قادیانیوں نے اپنے اشٹام بھی چھاپ رکھے تھے۔ مولوی عبدالکریم ایڈیٹر ''مباہلہ'' شروع میں قادیانی تھے، جب انھیں قادیانیت کی صداقت کے متعلق شکوک پیدا ہوئے تو اس سے تائب ہو گئے، ان پر ظلم وستم شروع ہوا۔ مرزا محمود نے مولوی عبدالکریم ایڈیٹر ''مباہلہ'' کی موت کی پیشین گوئی کی جو ''الفضل'' میں چھپی۔ نتیجتاً عبدالکریم پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ وہ بال بال بچ گئے لیکن ان کا ضامن محمد حسین قتل کر دیا گیا۔ اس کے قاتل کو پھانسی کی سزا ہوئی، وہ پھانسی پا گیا تو اس کی نعش قادیاں لائی گئی اور نہایت اعزاز کے ساتھ اسے بہشتی مقبرے میں دفن کیا گیا۔ اس کی تعریف میں ''الفضل'' کے صفحات سیاہ کیے گئے۔ مرزا بشیرالدین محمود نے اعلان کیا کہ اس کی روح پھانسی پانے سے پہلے ہی خدائے عادل کے حکم سے پرواز کر گئی تھی۔ مولوی عبدالکریم مباہلہ قادیاں سے اٹھ کر امرتسر آ گئے، ان کا مکان نذرِ آتش کر دیا گیا۔

ایک دوسرا قتل مرزائی مبلغ محمد امین کا تھا، جس کو کلہاڑی سے قتل کیا گیا۔ ہلاک اس لیے کیا گیا کہ مرزا بشیرالدین محمود اس سے ناراض ہو گیا تھا، پولیس نے اس سلسلہ میں کوئی کارروائی نہ کی۔ اس کے قاتل فتح محمد نے عدالت میں اقرار کیا کہ اس نے محمد امین کو کلہاڑی سے ہلاک کیا تھا۔ تب قادیان میں مرزائیوں کی طاقت کا یہ حال تھا کہ ان کے خلاف کوئی شہادت دینے کی جرأت ہی نہ کر سکتا تھا۔ مسٹر کھوسلہ کے الفاظ میں سرکاری حکام قادیانیت کے مقابلے میں غیر معمولی حد تک مفلوج ہو چکے تھے، اس ہولناک فضا میں احرار کا خیال تھا کہ مولانا عنایت اللہ چشتی قادیان میں زندہ نہیں رہ سکتے، انھیں معلوم تھا کہ مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ سرد مہر ہے اور بعض دنیاوی اغراض کی خاطر مرزائیت کی خوشنودی کو مقدم رکھتا ہے۔ احرار نے مولانا عنایت اللہ جانشینوں کی ایک فہرست تیار کر لی اور ہر چہ باداباد کے تحت کمر بستہ ہو گئے، مرزا بشیرالدین محمود نے قادیانی ہائی کمان کی میٹنگ بلا کر احرار پر ہاتھ اٹھانے سے اجتناب کا فیصلہ کیا۔ وہ جانتا تھا کہ مرزائی امت کے لیے یہ سودا مہنگا ہوگا، مرزائی امت کے بڑے بڑے افسر انگریز حکام کے پاس پہنچے اور فریاد کی کہ انھیں احرار سے بچایا جائے۔ ادھر احرار قادیان میں پہلی تبلیغی کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کر چکے اور صوبہ بھر کے مسلمان اس میں شمول کی دھڑا دھڑ تیاری کر رہے تھے۔ وائسرائے نے صوبائی گورنر کو لکھا۔ گورنر نے بعض اعلیٰ افسروں کی معرفت احرار سے کہا کہ وہ قادیان میں کانفرنس نہ کریں۔ وہاں مرزائیوں کی اکثریت ہے اور اقلیت کو حق نہیں کہ ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچائے، احرار نے جواب دیا، قادیان کے سوا مرزائیوں کی اکثریت کہاں ہے؟ ان کی تبلیغ دوسرے تمام مقامات پر بند کر دی جائے تو حکومت کی خواہش پر غور کیا جا سکتا ہے، مرزا بشیرالدین کی حواس باختگی کا یہ عالم تھا کہ اس نے کانفرس کے عرصہ بعد جب چودھری ظفراللہ خاں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر ہوئے تو انھیں آمادہ کیا کہ وہ اپنی والدہ کو لے کر وائسرائے سے ملیں اور احرار کے چنگل سے نجات دلائیں۔

پہلی احرار تبلیغ کانفرنس ۲۱۔۲۲۔۲۳ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو بصدارت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ قادیاں میں منعقد ہوئی۔ ''اس کانفرنس میں ہندوستان بھر سے علماء ومشائخ، سیاست دان اور ہر طبقہ فکر کے نمائندے شریک ہوئے۔ علماء میں مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مفتی محمد کفایت اللہؒ، حضرت مفتی محمد حسن امرتسریؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، مولانا

ابوالوفا شاہجہان پوریؒ اور دیگر کئی اہم شخصیتیں کانفرنس میں شریک تھیں۔ مرزا بشیر الدین محمود کی خوشنودی کے لیے حکومت نے قادیان کے میونسپل حدود میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی۔ احرار نے میونسپل حدود سے باہر کانفرنس کا ایک عظیم الشان پنڈال بنا دیا۔ پشاور سے دہلی تک ہزار ہا لوگوں نے شمول کا اعلان کیا، اس غرض سے سپیشل ٹرینیں چلائی گئیں۔ جب سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ قادیان کے ریلوے اسٹیشن پر سپیشل ٹرین سے پہنچے تو ہزار ہا رضا کاروں نے ان کا استقبال کیا۔ تقریباً دو لاکھ افراد شریک اجلاس ہوئے۔ شاہ جی نے دس بجے رات تقریر کا آغاز کیا اور صبح کی اذان تک تقریر جاری رکھی۔ اس تقریر سے قادیانی امت کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی، مرزا بشیر الدین نے حکومت کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ چودھری سر ظفر اللہ خاں نے وائسرائے اور گورنر سے فریاد کی تو شاہ جی کے خلاف دفعہ ۱۵۳۔الف کے تحت وارنٹ جاری کر دیے گئے اور انھیں شروع دسمبر ۱۹۳۴ء کو مسوری سے گرفتار کر لیا گیا۔ دیوان سکھانند مجسٹریٹ گورداس پور کی عدالت میں دو ماہ مقدمہ چلتا رہا۔ مرزا بشیر الدین محمود نے بھی چار دن تک شہادت دی۔ آخر مجسٹریٹ نے ۲۰ اپریل ۱۹۳۵ء کو ۶ ماہ قید بامشقت کا حکم سنایا۔ اس فیصلے کے خلاف سیشن جج گورداس پور کی عدالت میں اپیل کی گئی، انھوں نے ابتداً شاہ جی کو ضمانت پر رہا کر دیا۔ پھر ۶ جون ۱۹۳۵ء کو ایک تاریخی فیصلہ لکھا، جس سے قادیانی امت بے نقاب ہوگئی۔ مسٹر کھوسلہ نے شاہ جی کے جرم کو محض اصطلاحی قرار دے کر تا اجلاس عدالت قید محض کی سزا دی، اس فیصلے نے عوام کے احتساب کو ثبات دے کر خواص کو بیدار کیا۔

مسٹر کھوسلہ کا تاریخی فیصلہ عوام میں لوک گیت کی طرح پھیل گیا، مرزائی اس کے مندرجات کی صداقت سے کپکپا اٹھے۔ اب وہ اس جستجو میں تھے کہ احرار کی پکڑ سے کیوں کر نکل سکیں، لیکن انھیں کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا، ادھر ایک دو سال میں صوبائی خود مختاری کا آغاز ہو رہا تھا۔ جن صوبوں میں مسلمان اکثریت میں تھے، وہاں سرکاری مسلمان جتھہ بند ہو کر انتخاب جیتنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ پنجاب کا صوبہ مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں میں سب سے اہم تھا، ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں انتخابات ہندوؤں اور مسلمانوں کے دوائر میں منقسم تھے، لیکن پنجاب واحد صوبہ تھا۔ جہاں ہندو اور مسلمانوں کے علاوہ ایک تیسری طاقت سکھ تھی جو آپس میں کسی حد تک منقسم تھے۔ لیکن اکالی رہنما تمام سکھ نشستوں پر قبضہ کرنے کے متمنی تھے، اس انتخابی کشمکش کے استعماری پس منظر میں ''مسجد شہید گنج لاہور'' گرائی گئی، جس سے صوبہ کی سیاست یکسر پلٹ گئی، اس سے جو تحریک پیدا ہوئی، اس میں احرار نے اس خیال سے حصہ نہ لیا کہ اس کے مضمرات میں استعماری اغراض کارفرما ہیں اور باہمی تصادم یا قانون شکنی سے شہید گنج کی بازیابی ناممکن ہے۔

احرار محسوس کرتے تھے کہ انگریز کے آلہ کار مسلمانوں نے شہید گنج کے انہدام کا کھڑاگ اس لیے رچایا ہے کہ ان کے لیے انتخاب کی راہیں مسدود کر دیں۔ احرار تحریک میں حصہ لیتے تو قید ہو جاتے اور انتخاب سرکاری مسلمانوں کے ہاتھ میں رہتا۔ احرار نے حصہ نہ لیا تو مسلمانوں کے قہر و غضب کا شکار ہو گئے اور انتخاب کے نتائج ان کی نفی کر گئے۔ اس تحریک کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں کئی ایک مخلص رہنماؤں نے حصہ لیا۔ ان کی طاقت احرار کے خلاف استعمال ہوئی اور اس کا فائدہ سرکاری مسلمانوں کے علاوہ مرزائی امت نے اٹھایا۔ مرزا بشیر الدین محمود نے کئی ایک سیاسی مسلمانوں کو خرید

کیا۔انھوں نے احرار پر تابڑ توڑ حملے کیے،جس سے کچھ عرصہ کے لیے مرزائیت کے خلاف مسلمانوں کا زور مدھم پڑ گیا اور قادیانیوں کے اعمال و افکار کی نگرانی میں جوش و خروش نہ رہا۔احرار کے خلاف مسلمانوں کی اس ناراضی سے مرزائیت قدرے مصئون ہوگئی،لیکن تا بہ کے؟ادھر ۱۹۳۷ء میں انتخابات ختم ہوتے ہی سکندر وزارت قائم ہوئی۔ادھر شہید گنج کا طلسم ٹوٹ گیا۔عامۃ المسلمین کو پتہ چل گیا کہ انہدام مسجد کا پس منظر کیا تھا اور انھیں کیونکر فریب دیا گیا۔احرار نے بعض دوسری سیاسی مصروفیتوں کے باوجود قادیانی محاذ کی توانائی برقرار رکھی اور مسلمانوں کے ذہن سے مرزائی امت کو نکال دیا۔گو احرار الیکشن میں نتیجتاً ہار گئے اور جو لوگ ان کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے تھے،وہ یونی نسٹ پارٹی سے جا ملے۔صرف مولانا مظہر علی اظہر اور چودھری عبدالرحمٰن راہوں احرار میں رہ گئے۔لیکن احرار کا بڑا کارنامہ یہ تھا کہ ایک قادیانی بھی منتخب نہ ہوسکا۔

مرزا بشیر الدین محمود اس صورت حالات سے سخت پریشان تھا۔اس نے احرار کے خلاف کئی سازشیں کیں۔ ایک طرف برطانوی سرکار کو بھڑکاتا رہا۔دوسری طرف مسلمانوں میں احرار کے خلاف فضا پیدا کرنے میں لگا رہا۔اس غرض سے پانی کی طرح روپیہ بہایا۔اس نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے قتل کا منصوبہ تیار کیا کہ ان کا وجود قادیان کے لیے پیغامِ اجل تھا اور وہ اس سلسلہ میں ایک ادارہ اور ایک تحریک تھے۔ان کی تقریروں نے ایک ایسی تحریک پیدا کی کہ اس سے پہلے قادیانی امت کو اس طرز کے عوامی محاسبہ سے کبھی واسطہ نہ پڑا تھا۔غرض شاہ جی تمام علماء کے احتساب کا مجموعہ تھے،جو،اب تک قادیانی محاذ پر لڑتے رہے اور اس سلسلہ میں اپنی عمریں بتا دیں تھیں۔

مرزا بشیر الدین محمود نے راجندر سنگھ آتش نام کے ایک سکھ کو(یہ نوجوان راقم کے ساتھ ہی منٹگمری سنٹرل جیل میں رہا تھا) کو دس ہزار روپے کے عوض شاہ جی کے قتل پر تیار کیا۔اس غرض سے پانچ ہزار روپے پیشگی دیے اور پانچ ہزار قتل کے بعد ادا کرنے کا وعدہ کیا۔لیکن راجندر سنگھ نے شاہ جی کو دیکھا،ان کی تقریر سنی تو اپنے ضمیر کو تیار نہ کر سکا۔مرزا محمود،راجندر سنگھ کے انکار سے پریشان ہوا،اس کو سازش کے منکشف ہو جانے کا خطرہ تھا۔اس نے سی۔آئی۔ڈی سے سازش کر کے راجندر سنگھ کو کلکتہ میں گرفتار کرا دیا اور اس پر الزام عائد کیا کہ وہ انقلابی پارٹی کا ممبر ہے۔جب اس کو پنجاب لایا گیا تو اس نے مرزا محمود کی سازش کے انکشاف کا ارادہ کیا کہ وہ اس حقیقت حال سے عدالت کو مطلع کرے گا اور بتائے گا کہ اس کی گرفتاری مرزائی امت کی سازش سے ہوئی ہے،مرزا بشیر الدین کو خطرہ تھا کہ وہ شاہ جی کے قتل کی سازش آشکار کرے گا،جب راجندر سنگھ کا ارادہ پولیس کے علم میں آیا تو صوبائی گورنمنٹ کے حکم پر اس کو فی الفور رہا کر دیا گیا،لیکن شاہ جی کے خلاف مرزائی افسروں کی پخت و پنر سے بغاوت وغیرہ کے جرم میں کئی مقدمات تیار کیے گئے۔ادھر ستمبر ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم کا آغاز ہو گیا،احرار نے برطانیہ کی جنگی اعانت کے خلاف تحریک فوجی بھرتی بائیکاٹ ۱۹۳۹ء کا آغاز کیا تو ایک دوسرا محاذ کھل گیا اور تمام احرار رہنما سنگین سے سنگین مقدمات میں گرفتار کر لیے گئے،حتیٰ کہ بعض نمایاں کارکن بھی جیل میں ڈال دیے گئے،بعض کو نظر بند کیا گیا، بعض کو طویل سزائیں دی گئیں۔اس طرح جنگ کے دوران تمام نقشہ بدل گیا۔شاہ جی کے مقدمہ میں سرکاری رپورٹر لدھا رام منحرف ہو گیا،اس نے عدالت کو بیان دیتے ہوئے کہا کہ شاہ جی کی تقریر،اس نے وزیر اعظم سکندر حیات کی ہدایت اور

مسٹر برار سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ایماء پر وضع کی ہے تا کہ انھیں بڑی سے بڑی سزا دی جا سکے۔ اس انحراف وانکشاف سے شاہ جی کا مقدمہ لاہور ہائی کورٹ میں چلا گیا، چیف جسٹس سر ڈگلس ینگ اور جسٹس رام لال پر مشتمل ڈویژن بنچ نے سماعت کی اور شاہ جی کو بری کر دیا۔ اس کے بعد حکومت کو کان ہو گئے اور اس نے دوران جنگ شاہ جی کے خلاف کوئی مقدمہ قائم نہ کیا۔ دوسرے تیسرے سال کئی ایک احرار رہنما قید گزار کر رہا ہو گئے، جنگ کا زمانہ تھا، لیکن احرار نے قادیانی محاذ کو شدت سے قائم رکھا اور مرزائی امت کی اس طرح نگرانی کی کہ وہ اپنے طور سے کوئی سانا ٹک نہ رچا سکی۔

ادھر مسلم لیگ نے اوائل ۱۹۴۰ء میں پاکستان کا نصب العین اختیار کیا۔ احرار اس سے متفق نہ تھے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ احرار مسلمانوں میں سیاسی طور پر کمزور ہو گئے تا آنکہ مسلمان ان سے برگشتہ ہو گئے۔ دوسری جنگ عظیم ختم ہوئی تو ہندوستان کے سیاسی مستقبل سے متعلق برطانوی حکومت کے نمائندوں سے گفتگو شروع ہوئی۔ اس کا ایک مرحلہ جنرل انتخابات تھے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اس کے خلاف تھے کہ احرار انتخابات میں حصہ لیں، لیکن مرزا بشیر الدین محمود نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے احرار کے خلاف اس غرض سے لاکھوں روپے صرف کیے کہ انھیں مسلمانوں میں جماعتی حیثیت سے ختم کرا دیں۔ گو اپنی جماعت کے لیے مسلمانوں میں وہ کوئی جگہ پیدا نہ کر سکے، لیکن سیاسی مسلمانوں میں انھیں قدم رکھنے کا موقع مل گیا اور جو لوگ آزادی کے وارث ہو رہے تھے، ان کے نزدیک قادیانی سیاستہً مسلمان ہی تھے، لیکن عوام احرار سے ناراضی کے باوجود قادیانیت کو مسترد کر چکے تھے۔ اور مذہبی مسلمان منبر و محراب کی معرفت احرار ہی سے متاثر تھے۔

پاکستان قائم ہوا تو احرار دو حصوں میں بٹ گئے، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ ہندوستان کے ہو گئے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، ماسٹر تاج الدین انصاریؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ اور شیخ حسام الدینؒ وغیرہ پاکستان آ گئے، احرار نے حالات کو محسوس کرتے ہوئے سیاست سے ہاتھ اٹھا لیے، شاہ جی عملاً سبکدوش ہو گئے، مرزا بشیر الدین محمود نے ہاتھ پاؤں پھیلانے شروع کیے، وہ قادیان سے اٹھ کر لاہور آ گیا اور یہاں جودھامل بلڈنگ (نزد میو ہسپتال) میں قیام کیا۔ اس نے مختلف اخبار نویسوں سے ناطہ باندھا۔ کئی ایک کو رام کیا اور لاء کالج لاہور کے مینار ڈہال میں پاکستان کے بعض سیاسی مسائل پر تقریریں شروع کیں۔ بالخصوص مسئلہ کشمیر پر اس نے شرح وبسط سے اظہار خیال کیا، ظاہر ہے کہ سرکاری مسلمان تو پہلے ہی فراخ دل تھے، ان تقاریر سے بعض سیاسی مسلمان بھی متاثر ہوئے۔ ادھر عوام میں قادیانی امت نے رسوخ حاصل کرنا چاہا۔ احرار اس وقت منتشر تھے، ان کا ترجمان روزنامہ ''آزاد'' راقم کی ادارت میں (لاہور سے) نکل رہا تھا۔ راقم نے آزاد میں میں مرزا بشیر الدین محمود کی ان حرکات کا نوٹس لیا۔ اس کے علاوہ شروع ۱۹۴۸ء میں احرار کے زیر اہتمام کوئی تبلیغی جلسہ تھا، راقم نے اس میں مرزائیت کے کفر کا اعلان کرتے ہوئے ظفر اللہ خاں کے تقرر پر احتجاج کیا اور یہ پاکستان میں اس سلسلہ کی پہلی آواز تھی۔ مولانا غلام غوث ہزاروی (نائب صدر، مجلس احرار اسلام پاکستان) نے راقم کو خط لکھا کہ پاکستان میں اللہ تعالیٰ نے اس عنوان سے اعلاءِ کلمۃ الحق کا سہرا تمھارے سر باندھا ہے۔ یہ خط ۱۹۴۹ء کے چٹان میں شائع کیا گیا۔

مرزا بشیر الدین محمود پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے پاکستان کو اپنے مسلک کی موت سمجھتے۔ لیکن

سیاستاً گومگو کی حالت میں تھے۔ جسٹس منیر کی رپورٹ (اردو ایڈیشن) کے صفحہ ۱۱۷، پر بھی اس کا ذکر موجود ہے کہ وہ (مرزا بشیر الدین محمود) قیامِ پاکستان کے خلاف تھے۔ مرزا نے اپنی ایک تقریر میں علی الاعلان کہا تھا ''موجودہ ملکی تقسیم غلط ہوئی ہے۔ وہ تقسیم ختم کرانے اور دونوں ملکوں کے باہمی افتراق دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے، اس عارضی تقسیم کو کسی نہ کسی طرح ختم کیا ہی جائے گا اور ہندوستان اور پاکستان پھر سے اکھنڈ ہندوستان بنایا جائے گا۔ مرزا کی یہ تقریر ان کی جماعت کے آرگن ''الفضل'' میں چھپی۔ اس کے علاوہ مرزا نے منیر انکوائری کمیٹی کے روبرو تسلیم کیا کہ اس نے ۱۱ جون ۱۹۴۴ء کو اپنی ایک تقریر میں پاکستان کے مطالبہ کو غلامی مضبوط کرنے والی زنجیر قرار دیا تھا۔ اسی طرح ۳ جون ۱۹۴۷ء کو مرزا نے بعنوان ''سکھ قوم کے نام دردمندانہ اپیل'' ایک پمفلٹ شائع کیا، جس میں یہ الفاظ تھے کہ ''میں دعا کرتا ہوں اے میرے رب، میرے اہل ملک کو سمجھ دے، اوّل تو یہ ملک بٹے نہیں اور اگر بٹے تو اس طرح بٹے کہ پھر مل جانے کے راستے کھلے رہیں۔ اللّٰھم آمین''۔

چودھری سر ظفر اللہ خاں کے بھتیجے کا نکاح ۳/اپریل ۱۹۴۷ء کو تھا۔ مرزا محمود نے اس تقریب میں بھی اسی طرز کے خیالات کا اظہار کیا اور کہا کہ ''انھیں کوشش کرنی چاہیے کہ یہ حالت جلد دور ہو اور اکھنڈ ہندوستان بنے، جہاں ساری قومیں شیر وشکر ہو کر رہیں''۔ (ملاحظہ ہو: الفضل، ۱۵ اپریل ۱۹۴۷ء)

اسی طرح ۱۴ مئی ۱۹۴۷ء کو مرزا محمود نے اپنی مجلس علم وعرفان میں کہا کہ ''اللہ تعالیٰ کی مشیت ہندوستان کو اکٹھا رکھنا چاہتی ہے۔ ہندوستان کی تقسیم پر اگر ہم راضی ہوئے تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے، پھر یہ کوشش کریں گے کہ جلد سے جلد تر متحد ہو جائیں''۔

یہ تو خیر قبل از تقسیم کی باتیں تھیں، لیکن پاکستان میں قادیانی امت نے ''تاریخ احمدیت'' کی تدوین شروع کی تو اس کی دسویں جلد کے صفحہ ۲۷۶ پر لکھا کہ ''ہم دل سے پہلے ہی اکھنڈ ہندوستان کے قائل تھے، جس میں مسلمان کا پاکستان اور ہندو کا ہندوستان برضا ورغبت شامل ہوں اور اب بھی ہمارا عقیدہ یہی ہے''۔

مرزا محمود کے خیالات ان کے مبینہ تقدس کی آواز تھے اور تمام قادیانی بہ دل وجان اس کے موید تھے، مرزا محمود کے بھائی اور مسٹر ایم ایم احمد کے والد مرزا بشیر احمد نے بھی ان ہی خیالات کا اظہار کیا اور اپنے کئی پمفلٹوں میں اس خیال کا اعادہ کیا کہ وہ تقسیم سے راضی نہیں، اکھنڈ ہندوستان کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ لیکن پاکستان بن گیا تو مرزا بشیر الدین محمود نے پینترا بدلا اور پاکستان کو اپنے نرغہ میں لینے کا عزم کیا۔ سر ظفر اللہ خاں پہلے دن سے وزیر خارجہ تھا، اس کے سپرد دو کام تھے، ایک مختلف مقامات کے مرزائی افسروں کا تحفظ، دوسرا وزارت خارجہ میں مرزائی افسروں کی بھرتی، اس طرح مختلف ممالک کے سفارت خانوں میں قادیانی عہدیداروں کی بھرمار ہوگئی، انھوں نے مختلف اسلامی ملکوں میں نہ صرف اپنے تبلیغی مشن قائم کیے بلکہ بعض عرب ملکوں میں خفیہ اہلکار متعین کیے جو عالمی سامراج کی ہدایات پر کام کرتے اور دوہری تنخواہ پاتے۔ چودھری ظفر اللہ خاں کا خفیہ کام، کابینہ کے اندرونی راز اور بعض اہم سرکاری فیصلے مرزا بشیر الدین محمود تک پہنچانا تھا۔

(جاری ہے)

عیدالاضحیٰ کے موقع پر

قربانی کی کھالیں

شعبہ تبلیغ تحفظِ ختمِ نبوۃ
مجلسِ احرارِ اسلام
کو دیجیے

جملہ رقوم، عطیات، زکوٰۃ وعشر، صدقات
قیمت چرم قربانی بھیجنے کے لیے

ترسیلِ زر

بذریعہ چیک، ڈرافٹ، آن لائن: بنام مدرسہ معمورہ: اکاؤنٹ نمبر

A/C # 5010030736200010
Branch Code : 0729
THE BANK OF PUNJAB

بذریعہ اے ٹی ایم ٹرانسفر: **0729016006574001**

مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم ملتان	061 - 4511961 0301-7430486
مدرسہ ختم نبوت مسجد احرار چناب نگر	0301-3138803
مدرسہ معمورہ دفتر احرار لاہور	042 - 35912644 0300-4240910
مولوی محمد طیب مدنی مسجد چنیوٹ	0321-7708157
دارالعلوم ختم نبوت چیچہ وطنی	040 - 5482253
امجد حسین (سیالکوٹ) ذوالفقار بھٹو (ڈسکہ)	0307-6101608 0301-6100380
مدرسہ معمورہ، میراں پور (میلسی)	0308-7944357
مدرسہ ختم نبوت گڑھا موڑ (میلسی)	0300-7723991
مدرسہ ابوبکر صدیق، تلہ گنگ	0300-5780390
ڈاکٹر عبدالرؤف ڈاکٹر ریاض احمد جتوئی (مظفرگڑھ)	0301-7465899 0301-5641397
رانا محمد نعیم (حاصل پور)	0334-7102404
مدرسہ ختم نبوت، بورے والا (وہاڑی)	0300- 6993318
مدرسہ محمودیہ معمورہ، ناگڑیاں (گجرات)	0301-6221750
محمد اشرف علی احرار، فیصل آباد	0300- 7623619
حافظ محمد عمران، ماہڑہ (مظفرگڑھ)	0302-7778069
محمد اصغر لغاری، میر ہزار خان (مظفرگڑھ) حافظ عبدالقیوم، میر ہزار خان (مظفرگڑھ)	0300-8955344 0302-7320947
عبدالکریم قمر (کمالیہ)	0333-6377304
مولانا محمد اسماعیل (ٹوبہ)	0308-7298634
مولانا عبدالغفار احرار (جھنگ)	0308-5165518
مولانا فقیراللہ رحمانی، رحیم یار خان	0301-7660168
مولوی عمر فاروق، مدنی مسجد بہاولپور	0301-7191999
شفیع الرحمٰن احرار (کراچی)	0311-2883383

الداعی الی الخیر

شعبہ تبلیغ تحفظِ ختمِ نبوۃ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

آیئے! اللہ تعالیٰ سے دعا کے ساتھ سود اور سودی قرض کے خلاف جنگ کا آغاز کریں!

ادائیگی قرض کی دعائیں

۱) ...... حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غلام نے عرض کیا میں اپنے آقا کو رقم ادا کر کے جلدی آزادی چاہتا ہوں۔ آپ میری مدد فرمائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تجھے دو کلمے سکھلا دیتا ہوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھلائے تھے۔ اگر تجھ پر پہاڑ کے برابر بھی قرض ہوگا اللہ تعالیٰ ادا کر دے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔

''الٰہی! حاجتیں پوری کر میری حلال روزی سے اور بچا حرام سے اور بے پروا کر دے مجھ کو اپنے فضل کے ساتھ اپنے ماسوا سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

۲) ...... حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مقروض ہو گیا تھا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہیں وہ کلام سکھلا دیتا ہوں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تیرا غم دور اور قرض ادا کر دے گا، صبح و شام یہ دعا پڑھا کرو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ۔

''اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں فکر و غم سے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں ناتوانی اور سستی سے اور بچاؤ چاہتا ہوں آپ کے ساتھ بخل اور بزدلی سے اور پناہ میں آتا ہوں آپ کی قرض کے غلبے اور لوگوں کے سخت دباؤ سے۔'' (مشکوٰۃ باب الدعوات فی الاوقات فصل دوم)

مرتبہ مولانا محمد امین مرحوم معلم اسلامیات، فیصل آباد

دعاؤں کے طالب

CARE PHARMACY
کئیر فارمیسی
Trusted Medicine Super Stores
24 گھنٹے سروس
اصلی اور معیاری ادویات کے مراکز

Head Office: Canal View, Lahore

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! فیصل آباد میں 13 برانچز کے بعد، گوجرہ، جڑانوالہ، گوجرانوالہ، سانگلہ ہل، حافظ آباد، چنیوٹ
آپ کی خدمت کے لیے 24 گھنٹے سروس